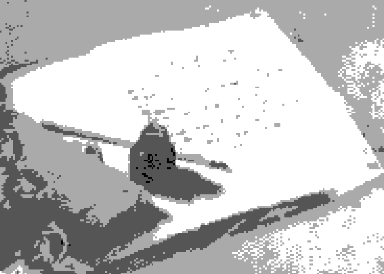
الحمد للہ عزوجل مقالاتِ جلالیہ مذہب حقہ اہلسنت وجماعت کے دلوں میں چین
اور باطل کے ایوانوں میں زلزلے برپا کردینے والے حقائق پر مبنی ہیں

مقالاتِ جلالیہ

استاذ العلماء حضرت علامہ
مفتی ظہور احمد جلالی



جلالیہ پبلیکیشنز
درگاہ مقدسہ نقشبندیہ قادریہ [illegible] شریف
0333-8173630,0546-585701

الحمد للہ عزوجل مقالاتِ جلالیہ مذہب حقہ اہلسنت وجماعت کے دلوں میں چین
امور باطل کے ایوانوں میں زلزلے برپا کردینے والے حقائق پر مبنی ہیں

مقالات جلالیہ

طارق جمیل کا آپریشن

استاذ العلماء حضرت علامہ
مفتی ظہور احمد جلالی

مرتب:
محمد نعیم اللہ خاں قادری
بی ایس سی۔ بی ایڈ
ایم اے اردو، پنجابی، تاریخ

جلالیہ پبلیکیشنز

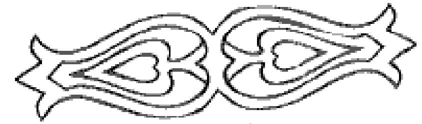
درگاہِ مقدسہ نقشبندیہ قادریہ جلالیہ جھکی شریف 0333-8173630

نام کتاب: مقالات جلالیہ
از قلم: مفتی ظہور احمد جلالی صاحب
مرتب: محمد نعیم اللہ خاں قادری
با اہتمام: شیخ محمد سرور اویسی
تعداد: 1100
سن اشاعت: 21 جولائی 2009ء
صفحات: 272
ہدیہ: روپے

ملنے کے پتے

اویسی بک سٹال گوجرانوالہ 0333-8173630
مکتبہ فیضان مدینہ گھکڑ / مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں
رضا بک شاپ گجرات / مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ
مکتبہ رضائے مصطفےٰ چوک دارالسلام سرکلر روڈ گوجرانوالہ
مکتبہ فیضانِ مدینہ سرائے عالمگیر، مکتبہ الفجر سرائے عالمگیر
مکتبہ فیضانِ اولیاء کامونکی / جلالیہ صراط مستقیم گجرات
صراط مستقیم پبلی کیشنز 5,6 مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور
042-7115771, 0321-9407699

فہرست



افضلیتِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

از: امام المتکلمین امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ

ترجمہ: ظہور احمد جلالی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

(پارہ۳،سورہ البقرہ، آیت۲۵۳)

ترجمہ: ''یہ رسول (علیہ السلام) ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا' اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا' اور ہم نے مریم (علیہا السلام) کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) کو کھلی نشانیاں دیں اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد کی''

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ میں کئی مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ:

تِلْكَ مبتدا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تلک فرمایا ہے' اولئک الرسل نہیں فرمایا کیونکہ تلک کا مشار الیہ جماعت ہے۔ مطلب یہ ہوا تلک الجماعۃ الرسل ''مرفوع پڑھتے ہوئے کہ یہ تِلْكَ کی صفت ہے۔ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ خبر مبتدا ہے۔

دوسرا مسئلہ:

تِلْكَ الرُّسُلُ میں کئی قول ہے۔

پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت اسحاق علیہ السلام' حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہم۔

دوسرا قول:

یہ ہے کہ اس سے مراد وہ حضرات ہیں جن کا ذکر سابقہ آیات میں ہوا ہے جیسے حضرت اشمویل اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت طالوت علیہ السلام (ان کی نبوت کا قول کرتے ہوئے)

تیسرا قول:

یہ حضرت اصم علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ وہ رسول جن کو اللہ تعالیٰ نے فساد دور کرنے کیلئے بھیجا ہے۔ اس آیہ کریمہ میں جن کی طرف اشارہ فرمایا۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ

(پارہ۲،سورہ البقرہ، آیت۲۵۱)

ترجمہ: ''اور اگر لوگوں میں بعض کو بعض سے دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے''

تیسرا مسئلہ' اس آیت کا ماقبل سے تعلق:

اس سلسلہ میں ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کے اپنی اقوام سے پیش آنے والے واقعات سے آگاہ فرمایا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے عرض کیا:

اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (پارہ۶ سورہ النساء، آیت۱۵۳)

ترجمہ: ''ہمیں اللہ کو اعلانیہ دکھا دو''۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا:

اَجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ۔ (پارہ۹،سورہ الاعراف، آیت۱۳۸)

ترجمہ: ''ہمیں ایک خدا بنادے جیسے ان کیلئے اتنے خدا ہیں''۔

جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم اذن الٰہی سے مردوں کو زندہ ہوتے' پیدائشی نابینوں کو بینا ہوتے اور کوڑھیوں کو شفا پاتے دیکھنے کے باوجود آپ کی تکذیب کرنے لگی اور آپ کے قتل کے درپے ہوگئی۔ پھر یہودی اپنے کفر پر ڈٹے رہے' اور ایک گروہ خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری ظاہر کرنے لگا۔ نیز یہودیوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کردیا ہے اور سولی پر لٹکا دیا ہے' جن کے دعووں کو اللہ تعالیٰ نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ اس طرح بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے حضرت طالوت علیہ السلام سے حسد کیا اور بڑے سوال و جواب کے بعد ملک ان کے حوالے کیا۔ اس طرح نہر سے گزرنے کا واقعہ بیان کیا۔ (ان واقعات کے ذکر کے بعد) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دی کہ آپ اپنی قوم سے جو تکذیب اور حسد دیکھ رہے ہیں (آپ سے پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے) نیز ارشاد فرمایا کہ یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور باقی انبیاء علیہم السلام کے درجات بلند فرماتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کو روح القدس کے ذریعہ قوت بخشی ہے۔ ان مقدس حضرات کو بھی اپنی قوموں سے ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا حالانکہ وہ لوگ معجزات دیکھ چکے تھے۔ آپ بھی ان کی مثل رسول ہیں تو اپنی قوم کی بدخوئی و جفا پر غمناک نہ ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کا اور آپ کی قوم کا آپس میں اختلاف نہ ہوتا لیکن تقدیر الٰہی میں جو کچھ لکھا جاچکا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا۔

خلاصہ کلام:

اس کلام سے مقصود حضور اکرم ﷺ کو اپنی قوم کی اذیت برداشت کرنے پر تسلی دی جارہی ہے۔

چوتھا مسئلہ:

اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام بعض سے افضل ہیں۔ اُمت کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ حضور اکرم ﷺ سب سے افضل ہیں' اس کی بہت ساری دلیلیں موجود ہیں۔

دلیل نمبر۱:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ: ''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے''۔

(پارہ ۱۷، سورہ الانبیاء، آیت ۱۰۷)

جب آپ ﷺ تمام جہانوں کیلئے رحمت ہیں تو لازمی طور پر تمام جہانوں سے افضل بھی ہوں گے۔

دلیل نمبر۲:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

ترجمہ: ''اور ہم نے تمہارا ذکر تمہارے لئے بلند کیا''۔

(پارہ ۳۰، سورہ الم نشرح، آیت ۴)

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت میں اپنے ذکر کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کا ذکر ملایا ہے۔ اس طرح اذان میں' تشہد میں بھی' جبکہ باقی انبیاء علیہم السلام کا ذکر اس انداز میں نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۳:

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (پارہ ۵، سورہ النساء، آیت ۸۰)

ترجمہ: ”جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا“۔

حضور ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ

(پارہ ۲۶، سورہ الفتح، آیت ۱۰)

ترجمہ: ”وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے“۔

حضور ﷺ کی عزت کو اپنی عزت سے ملا کر بیان فرمایا۔

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ (پارہ ۲۸، سورہ المنافقون، آیت ۷)

ترجمہ: ”اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہے“۔

نبی مکرم ﷺ کی رضا کو اپنی رضا سے ملایا۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ (پارہ ۱۰، سورہ التوبہ، آیت ۶۲)

ترجمہ: ”اور اللہ اور اسکے رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے“۔

اسی طرح حضور اقدس ﷺ کے حکم کی بجا آوری کو اپنے حکم کی بجا آوری سے ملاتے ہوئے فرمایا:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ

(پارہ ۹، سورہ الانفال، آیت ۲۴)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ“۔

دلیل نمبر ۴:

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ قرآن پاک کی ہر سورت سے کفار کا مقابلہ فرمائیں۔ ارشاد فرمایا:

فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ (پارہ ۱، سورہ البقرہ، آیت ۲۳)

ترجمہ: ”تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ“۔

سب سے چھوٹی سورت سورہ کوثر ہے جو کہ تین آیتوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز کی ان تین آیتوں سے کفار کو مقابلہ کی دعوت دی ہے، جبکہ قرآن پاک میں کل آیات چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں، جس سے لازم آتا ہے کہ قرآن پاک کا مجموعہ محض ایک معجزہ نہیں ہے بلکہ یہ دو ہزار سے زائد معجزات کا مجموعہ ہے۔

اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شرف و فضل کا ذکر نو (۹) روشن آیتوں کے ساتھ فرمایا اور حضور اکرم ﷺ کو ان آیات کثیرہ کی بنا پر شرف حاصل ہوا تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

ہمارے نبی اکرم ﷺ کا معجزہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے افضل ہے تو ضروری طور پر حضور اکرم ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہوں گے۔

پہلے مقدمہ (کہ آپ کا معجزہ سب سے افضل ہے) کا بیان یہ ہے۔

اَلْقُرْاٰنُ فِی الْکَلَامِ کَاٰدَمَ فِی الْمَوْجُوْدَاتِ

کلام میں قرآن عزیز اس طرح ہے جیسے موجودات میں حضرت آدم علیہ السلام۔ دوسرے مقدمہ (کہ ہمارے رسول ﷺ سب سے افضل ہیں) کا بیان یہ ہے کہ جس قدر خلعت (شاہی لباس) افضل ہوگی اس قدر خلعت پوش کا بادشاہ کے ہاں مرتبہ بلند ہوگا۔

دلیل نمبر۶:

حضور اکرم ﷺ کا معجزہ قرآن عزیز ہے جو کہ حروف اور آوازوں کی جنس سے ہے جو کہ باقی نہ رہنے والی عرضیں ہیں جبکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات باقی رہنے والے امور کی جنس سے تھے لیکن اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کے معجزہ کو ہمیشہ کیلئے باقی رکھتا ہے جبکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات فانی اور ختم ہونے والے ہیں۔

دلیل نمبر۷:

اللہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ

(پارہ۷، سورہ الانعام، آیت ۹۰)

حضور اکرم ﷺ کو پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی اقتدا کا حکم دیا ہے تو نبی کریم ﷺ یا تو اصول دین میں انبیاء کرام علیہم السلام کی اقتداء کے مامور ہوں گے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ تقلید ہے' یا پھر فروع دین میں ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے' یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کی شریعت تو تمام شریعتوں کو منسوخ کرنے والی ہے۔ پھر اس سے مراد محاسن اخلاق کی پیروی میں ہو سکتی ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّا أَطْلَعْنَاكَ عَلَى أَحْوَالِهِمْ وَسِيَرِهِمْ
فَاخْتَرْ أَنْتَ مِنْهَا أَجْوَدَهَا وَأَحْسَنَهَا

کہ ہم نے آپ کو ان کے حالات اور سیرتوں پر مطلع فرمایا دیا ہے تو آپ ان سے زیادہ عمدہ اور احسن کو اختیار فرمائیں اور ان تمام محاسن اخلاق میں انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی فرمائیں۔

وهذا يقتضي انه اجتمع فيه من الخصال المرضية ما كان متفرقا فيهم

ترجمہ: ”یہ بات اس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ جو جو پسندیدہ طور وطریقے تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں جدا جدا طور پر پائے جاتے تھے وہ تمام کے تمام حضور اکرم ﷺ کی ذات کریمہ میں موجود ہیں“۔

دلیل نمبر۸:

حضور اکرم ﷺ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ رسالت عامہ تقاضا کرتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی مشقت ان سے بڑھ کر ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ سب سے افضل بھی ہوں گے۔ آپ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ (پارہ۲۲، سورہ سبا، آیت ۲۸)

ترجمہ: ”اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرے والی ہے“۔

یہ رسالتِ عامہ کثرتِ مشقت کا تقاضا اس طرح کرتی ہے کہ ایک شخص اکیلا ہو' مال ودولت سے جدا ہو' مددگار اور ساتھی بھی نہ رکھتا ہو' پھر وہ تمام جہان والوں کو یوں خطاب کرے۔

يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ (پارہ۳۰، سورہ الکافرون، آیت۱)

ترجمہ: ”اے کافرو“

ظاہر ہے کہ تمام کے تمام اس کے دشمن بن جائیں گے۔ اس وقت اسے تمام جہان والوں کا خوف ہوگا تو مشقت بھی بڑھ جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا گیا تو آپ کو فرعون اور اس کی قوم کا خطرہ لاحق تھا۔

جبکہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا حال یہ ہے کہ تمام کی تمام انسانیت آپ کی دشمن بن گئی۔ (الا ماشاءاللہ)

اس کی توضیح یوں ہے کہ ایک شخص کو کہا جائے کہ اس شہر میں جہاں تمہارا کوئی صدیق و رفیق نہیں ہے وہاں جاؤ اور فلاں شخص جو طاقت اور اسلحہ رکھتا ہے اس کے پاس اکیلے جا کر اسے وحشت ناک اور اذیت ناک خبر سنا آؤ تو اس صورت میں یہ شخص بہت کم ہی اپنی جان کی قربانی دے گا۔ حالانکہ مدمقابل ایک شخص ہے۔

اور اگر اسے کہا جائے کہ فلاں دور دراز علاقے میں جہاں تمہارا کوئی غمخوار اور دوست نہیں ہے وہاں کے حاکم کو فلاں فلاں دہشت ناک خبریں سنا آؤ تو یہ بات اس شخص پر گراں گزرے گی

جبکہ نبی کریم ﷺ اس بات کے مامور تھے کہ ساری عمر دن رات جنوں اور انسانوں کے پاس جائیں جن کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں ہے بلکہ عادت کے مطابق وہ دشمنی، اذیت اور گستاخی سے پیش آئیں گے۔ بایں ہمہ حضور ﷺ نے اس حالت سے نہ تو ملال و پریشانی محسوس فرمائی ہے اور نہ توقف اور سستی کو راہ دی بلکہ حکم کو سنتے اور اطاعت کرتے ہوئے فی الفور بجا آوری میں متوجہ ہو گئے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے دین الٰہی کے اظہار میں سب سے بڑھ کر مشقت برداشت فرمائی ہے، اس لئے تو اللہ نے فرمایا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنكُمْ مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ

(پارہ ۲۷، سورہ الحدید، آیت ۱۰)

یہ بات بھی معلوم ہے کہ یہ آزمائش حضور اکرم ﷺ کیلئے تھی جب اس شدت اور سختی کی وجہ سے کسی کا فضل و کمال بڑھ جاتا ہے تو تمہارا حضور اکرم ﷺ کے متعلق کیا خیال ہوگا؟

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ کی مشقت دوسروں کی مشقت سے زائد ہے تو لازمی طور پر آپ ﷺ کا فضل و کمال بھی دوسروں کے فضل و کمال سے زیادہ ہوگا کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

افضل العبادات احمزها عبادتوں میں افضل عبادت وہ ہے جس میں مشقت زیادہ ہو۔

گیارہویں دلیل:

حضور اکرم ﷺ خاتم الرسل ﷺ ہیں لہٰذا آپ کا افضل ہونا ضروری ہے کیونکہ فاضل کو مفضول کے ساتھ منسوخ کرنا عقلی طور پر قبیح ہے۔

بارہویں دلیل:

بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بعض پر فضیلت کئی اعتبار سے ہوتی ہے، ان میں سے ایک وجہ کثرتِ معجزات بھی ہے جو کہ ان کی صداقت کی دلیل اور ان کے شرف و کمال کا سبب ہوتے ہیں۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ کے حق میں تین ہزار سے زائد معجزات کا ظہور ہوا اور وہ بھی کئی قسموں پر مشتمل ہیں۔ بعض معجزات کا تعلق قدرت کے ساتھ ہے مثلاً تھوڑے کھانے سے خلقِ کثیر کو سیر کر دینا اور قلیل مقدار پانی سے بہت بڑی جماعت کو سیراب کر دینا۔ بعض معجزات کا تعلق عُلوم سے ہے جیسے غیب کی خبریں دینا اور فصاحتِ قرآنی۔ بعض معجزات کا تعلق آپ ﷺ کے ذاتی فضائل کے ساتھ ہے جیسے

آپ ﷺ کا اشرافِ عرب میں سے نسب کے لحاظ سے سب سے اشرف ہونا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا سب سے بڑھ کر شجاع ہونا' جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب کہ عمر بن ودود سے لڑائی سے فارغ ہوئے تھے تو فرمایا کہ اے علی! تُو نے خُود کو کیسا پایا! عرض کی کہ اگر اہلِ مدینہ ایک طرف ہوتے اور میں اکیلا ایک طرف ہوتا تو میں اُن پر غالب آ جاتا۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے علی! تیار رہو اس وادی سے ایک نوجوان تمھارے ساتھ لڑائی کرنے کیلئے نکلے گا۔ الیٰ آخر الحدیث' یہ واقعہ مشہور ہے۔ ان میں بعض معجزات کا تعلق آپ ﷺ کے اخلاق، حلم، وفاء، فصاحت اور سخاوت کے ساتھ ہے' ان ابواب کی تفصیل حدیث شریف کی کتابیں بیان کر رہی ہیں۔

تیرہویں دلیل:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

آدَمُ وَ مَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِیْ یَوْمُ الْقِیَامَةِ

کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر حضرات قیامت کے روز میرے پرچم تلے ہوں گے۔

یہ حدیث شریف دلالت کر رہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ، حضرت آدم علیہم السلام اور آپ کی تمام اولاد سے افضل ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔۔

"اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ" (صحیح مسلم جلد ۳، ص ۲۴۵' مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ، پہلی فصل)

کہ میں تمام اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لایدخل الجنة احد من النبیین حتی ادخلها انا و لا یدخلها احد من الامم حتی تدخلها امتی" (جامع ترمذی جلد ۲، ص ۲۰۷)

کہ جب تک میں جنت میں نہیں جاؤں گا اس وقت تک کوئی نبی جنت میں داخل نہ ہوگا اور جب تک میری امت جنت میں نہ پہنچے گی اس وقت تک کوئی اُمت جنت میں نہ جائے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا"

قیامت کے روز لوگ جب اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں قبر سے نکلوں گا۔

"اَنَا قَائِدُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا"

لوگ جب بارگاہِ خُداوندی میں وفد بن کر پیش ہونگے تو مَیں اُن کا خطیب ہوں گا۔

"اَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا اَیِسُوْا"۔

لوگ جب مایوس ہو جائیں گے تو میں اک ان کو بشارت سناؤں گا۔

"لِوَاءُ الْحَمْدِ بِیَدِی"

(ترمذی' ابواب المناقب' مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین، دوسری فصل)

حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا۔

"اَنَا اَکْرَمُ وُلْدِ آدَمَ عَلٰی رَبِّیْ وَلَا فَخْرَ"۔ (ترمذی ابواب المناقب)

بارگاہِ خداوندی میں اولادِ آدم علیہ السلام میں سے سب سے زیادہ عزّت و

کرامت والا میں ہوں اور اس پر میں فخر نہیں کرتا یا یہ بات میں بطورِ فخر نہیں کہتا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بیٹھے باہم مذاکرہ کر رہے تھے تو حضور اکرم ﷺ نے اُن کی گفتگو سماعت فرمائی۔ کسی نے کہا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دُوسرے نے کہا اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ تیسرے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چُن لیا۔ اس دوران حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ میں نے تمھارا کلام اور حُجت تمھاری کو سُن لیا ہے۔ یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، وہ اس طرح ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نجی اللہ ہیں، وہ اس طرح ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام رُوح اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا اور وہ اسی طرح ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں، یہ بات میں بطورِ فخر نہیں کہتا، روزِ قیامت لواء الحمد کو میں اُٹھانے والا ہوں گا اور یہ بات بطورِ فخر نہیں کہتا، قیامت کے دن سب سے پہلا شفاعت کرنے والا مَیں ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی، مَیں اس پر فخر نہیں کرتا۔ جنّت کا کنڈا قیامت کے روز سب سے پہلے میں کھٹکھٹاؤں گا تو میں اس میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے، یہ بات بھی بطورِ فخر نہیں کہتا۔ اور میں تمام پہلوں اور پچھلوں میں زیادہ عزّت و کرامت والا ہوں اور یہ بات میں بطورِ فخر نہیں کہتا۔

(ترمذی، ابواب المناقب، داری، مشکوٰۃ باب فضائل سیدالمرسلین، دوسری فصل)

چودھویں دلیل:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فضائل صحابہ میں روایت کرتے ہیں حضرت علی بن ابی

طالب دُور سے نمودار ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمام عرب کے سردار ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا سید العرب آپ نہیں ہیں؟ فرمایا کہ میں سید العالمین (تمام جہانوں کا سردار) ہوں اور یہ سید العرب (عرب کے سردار) ہیں۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔

پندرھویں دلیل:

حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں ہوئیں، اور میں اس پر فخر نہیں کرتا۔

۱۔ مجھے سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہے کہ مجھ سے قبل انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔

۲۔ میرے لئے ساری روئے زمین سجدہ گاہ اور پاک بنادی گئی ہے۔

۳۔ میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے کہ میرے آگے ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب ہے۔

۴۔ میرے لئے غنیمت کے مال حلال کردیئے گئے ہیں جب کہ مجھ سے قبل کسی کے لئے حلال نہ تھے۔

۵۔ مجھے شفاعت عطاء کی گئی ہے جو میں نے اپنی امت کیلئے ذخیرہ کر رکھی ہے یہ انشاء اللہ تعالیٰ میرے ہر اس اُمتی کو نصیب ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو۔

(بخاری شریف، مسلم شریف، کتاب المساجد، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین، پہلی فصل)

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہوگا کہ یہ حدیث صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان فضائل کی بناء پر دیگر حضرات پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اسی مفہوم کی حدیث مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ کی پہلی فصل میں ہے۔

سولہویں دلیل:

امام محمد بن عیسیٰ حکیم ترمذی علیہ الرحمہ اس معنیٰ کی تقریر میں فرماتے ہیں کہ ہر امیر کی مشقت اس کی رعیت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔ جس امیر کی حکومت ایک بستی تک ہے، اس کی مشقت بھی ایک بستی تک ہی رہے گی اور جو شخص مشرق و مغرب کا بادشاہ ہو اس کے اموال اور خزانے اس بستی کے امیر سے بڑھ کر ہوں گے۔ اس طرح ہر رسول کو اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا گیا تو اسے توحید کے خزانے اور معرفت کے جواہر بھی اس قدر نصیب ہوئے جس قدر ان کی رسالت تھی۔ تو جو رسول زمین کے کسی مخصوص حصّہ میں موجود قوم کی طرف مبعوث ہوا تو اسے روحانی خزانے بھی اسی جگہ کے لحاظ سے عطا ہوں گے، اور جو ذات مشرق و مغرب میں بسنے والے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث ہو تو ظاہر ہے کہ معرفت کے خزانے اسی حساب سے عطا ہوں گے کہ وہ تمام مشرق و مغرب والوں کے اُمور انجام دے سکے۔

جب حضور اقدس ﷺ کی نبوّت کو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوّت سے یہ نسبت حاصل ہے جو کہ تمام مشرقوں اور مغربوں کو بعض مخصوص شہروں کی نسبت حاصل ہے، جب مُعاملہ یہ ہے تو یقیناً آپ ﷺ کو علم و حکمت کے وہ خزانے عطا ہوئے ہیں جو پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔

"فَلَا جَرَمَ بَلَغَ فِی الْعِلْمِ اِلَی الْحَدِّ الَّذِیْ لَمْ یَبْلُغْہُ اَحَدٌ مِّنَ الْبَشَرِ"

تو یقیناً آپ ﷺ علم کی اُس حد تک پہنچے ہیں جس تک کوئی فرد بشر نہیں پہنچ سکا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے حق میں فرمایا کہ

"فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی" (پارہ ۲۷، سورۃ النجم نمبر ۱۰)

اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

اور فصاحت کے اس مرتبہ پر فائز ہوئے کہ خود ﷺ فرماتے ہیں۔

"اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ"

(مسلم کتاب المساجد، مشکوٰۃ فضائل سید المرسلین، پہلی فصل)

کہ مجھے جامع کلمات عطا فرمائے گئے ہیں، تو آپ ﷺ کی کتاب تمام کتابوں کی جامع بن گئی اور آپ ﷺ کی اُمّت تمام امتوں سے افضل ہوگئی۔

سترھویں دلیل:

محمد بن عیسیٰ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کتاب النوادر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسُولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کو نجی (ہمکلام) بنایا اور مجھے اپنا حبیب بنایا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل و نجی سے ترجیح دُوں گا۔

اٹھارہویں دلیل:

صحیحین میں ہے کہ حضرت ہمام بن منبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم

السلام کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے بہت اچھا خوبصورت اور کامل ترین انداز میں گھر بنایا مگر اس گھر کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی چھوڑ دی تو لوگ اس گھر میں چل پھر کر دیکھنے لگے اور یہ عمارت ان کو پسند آ گئی تو وہ کہتے ہیں' یہاں آپ نے ایک اینٹ کیوں نہیں لگائی کہ تمہاری عمارت مکمل ہو جاتی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا وہ آخری اینٹ میں ہوں۔

(متفق علیہ، مشکوٰۃ فضائل سید المرسلین فصل اوّل، ترمذی ابواب المناقب)

انیسویں دلیل:

اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں جس نبی کو بھی نداء فرمائی ہے تو اس نبی کا نام لے کر "یٰۤاٰدَمُ اسْکُنْ"۔ (پارہ ا، سورۃ البقرہ نمبر ۳۵)

اے آدم! تُو اور تیری بیوی اس جنّت میں رہو۔

"وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ" (پارہ ۲۳، سورہ الصّٰفّٰت، آیت ۱۰۴)

اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم

"یٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ" (پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت ۱۱، ۱۲)

اے موسیٰ! بیشک میں تیرا رب ہوں۔

لیکن حضور اکرم ﷺ کو اس طرح نداء فرمائی۔

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ" (سورۃ التوبہ آیت نمبر ۷۳)

اے غیب کی خبریں دینے والے۔

"یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ" (سورۃ المائدہ۔ آیت ۶۷)

اے رسول! یہ چیز حضور اکرم ﷺ کی فضیلت کو بیان فرما رہی ہے۔

مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض نمبر ا:

حضور اکرم ﷺ کی افضلیت کے منکرین کی پہلی دلیل یہ ہے کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات حضور ﷺ کے معجزات سے اعظم تھے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام مسجودِ ملائکہ تھے جب کہ حضور اکرم ﷺ مسجودِ ملائکہ نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت بڑی آگ میں ڈالا گیا تو وہ ان کے حق میں گُل وگلزار بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو عظیم معجزات نصیب ہوئے' ان جیسے آپ ﷺ کو نہیں ملے۔ حضرت داوٗد علیہ السّلام کے ہاتھ میں لوہا موم ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے لیے جنّوں، اِنسانوں، وحشی جانوروں، پرندوں اور ہواؤں کو مسخّر کر دیا گیا جب کہ یہ چیزیں آپ حضور اکرم ﷺ کو حاصل نہ تھیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچپنے میں گویائی (بولنے کی قوت) عطاء فرمائی۔ مُردے جِلانے، پیدائشی نابینا کو بینا کرنے اور برص والے کو صحیح کرنے کی قدرت عطا فرمائی جب کہ یہ چیزیں حضور اکرم ﷺ کو حاصل نہ تھیں۔

اعتراض نمبر ۲:

اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل رکھا' فرمایا:

"وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا" (پارہ ۵، سورۃ النساء۔ آیت نمبر ۱۲۵)

اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا۔

"وَکَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا" (پارہ ۶، سورۃ النساء۔ آیت نمبر ۱۶۴)

اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا۔

"فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا" (پارہ ۲۸، سورہ تحریم، آیت نمبر ۱۲)

ہم نے اس میں اپنی طرف کی رُوح پھونکی۔

ان میں سے کوئی چیز بھی حضور اکرم ﷺ کے بارہ میں نہیں فرمائی۔

اعتراض نمبر ۳:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"لَا تُفَضِّلُوْنِيْ عَلٰى يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى"۔

کہ مجھے حضرت یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے۔

لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ اَنْبِيَاءِ اللّٰهِ

(بخاری کتاب الانبیاء، باب حضرت یونس علیہ السلام)

کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔

اعتراض نمبر ۴:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم مسجد میں بیٹھے انبیاء کرام علیہم السلام کی فضیلت کا تذکرہ کر رہے تھے تو ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی لمبی عبادت کا ذکر کیا۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام کی خلت' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانوں پر بلندی کا ذکر کیا' اور ہم نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ ان سب سے افضل ہیں کہ آپ ﷺ تو لوگوں کی طرف مبعوث

ہوئے ہیں آپ کے حق میں اعلان ہو چکا ہے۔

"لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ"۔

(پارہ ۲۶، سورہ الفتح، آیت ۲)

اور آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں علیہ وعلیہم السلام والتحیہ' اتنے میں حضور اکرم ﷺ تشریف فرما ہو گئے۔ فرمایا: کیا باتیں کر رہے تھے۔ ہم نے ساری گفتگو عرض کر دی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کسی ایک کو لائق نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے افضل ہوں۔ انہوں نے نہ تو کبھی بھی کوئی بُرائی کی نہ ہی کبھی بُرائی کا خیال کیا۔

جوابات

پہلے اعتراض کا جواب:

حضرت آدم علیہ السلام کے مسجودِ ملائکہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آپ ﷺ سے افضل ہو جائیں' کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام حضرات قیامت کے دن میرے پرچم کے نیچے ہوں گے' اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ معراج کی رات حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ کی رکاب تھامی تھی اور یہ سجدہ کرنے سے بڑھ کر ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ پر خود درود بھیجا اور فرشتوں اور مؤمنین کو صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کا حکم دیا اور یہ چیز مسجودِ ملائکہ سے بڑھ کر ہے۔ اس پر کئی وجوہ سے دلالت پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم آداب بجالانے کیلئے دیا اور حضور



اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کا حکم قُرب عطا فرمانے کے لئے دیا۔

دُوسری وجہ یہ ہے حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا جب کہ حضرت آدم علیہ السّلام کو سجدہ صرف ایک بار ہوا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے والے صرف فرشتے تھے جب کہ حضور اکرم ﷺ پر دُرود بھیجنے والا خُود ربُّ العالمین ہے؛ پھر اُس نے ملائکہ کرام اور اہلِ ایمان کو حکم دیا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ "اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ اُمِرُوْا بِالسُّجُوْدِ لِاٰدَمَ لِاَجْلِ اَنَّ نُوْرَ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ جَبْھَۃِ اٰدَمَ"

کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السّلام کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم اس لئے دیا کہ محمد مصطفےٰ ﷺ کا نُور ان کی پیشانی میں تھا۔

اعتراض:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو علم کے ساتھ خاص فرمایا' ارشاد ہوتا ہے۔

"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا" (پارہ ۱، سورۃ البقرہ۔ آیت نمبر ۳۱)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے جب کہ حضور اکرم ﷺ کے بارہ میں فرمایا۔

"مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ"

(پارہ ۲۵، سورۃ الشوریٰ۔ آیت نمبر ۵۲)

اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکامِ شرع۔

نیز فرمایا" وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی"۔ (پارہ ۳۰، سورۃ الضحیٰ۔ آیت نمبر ۷)



اور تمہیں اپنی محبّت میں خُود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

نیز حضرت آدم علیہ السّلام کو تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے: وعلم آدم الاسماء اور حضور اکرم ﷺ کو تعلیم دینے والے جبرائیل امین علیہ السّلام ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

" عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی" (پارہ ۲۷، سورۃ نجم۔ آیت نمبر ۵)

انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے علم کے متعلق ارشاد فرمایا۔

"وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا"

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

(پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۱۳)

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: " اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ"

ارشادِ تعالیٰ ہے: "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ"

(پارہ ۲۷ سورۃ رحمٰن۔ آیت ۱۔۲)

رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔

حضور اکرم ﷺ دعا کرتے:

"اَرِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَاھِیَ"

کہ ہمیں سب چیزیں اس طرح دکھا جس طرح کہ وہ واقعۃً ہیں۔

ان آیات واحادیث اور آیت کریمہ، علمہ شدید القوی کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ اس میں تلقین کے لحاظ سے جبرائیل علیہ السّلام کی طرف نسبت ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ"

(پارہ ۲۱، سورۃ السجدہ۔ آیت نمبر ۱۱)

تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

"اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا"

پ۲۴ (سورۃ الزمر۔ آیت نمبر ۴۲)

اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے اُن کی موت کے وقت۔

اعتراض:

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"مَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ"

(پارہ ۱۹، سورۃ الشعرا۔ آیت نمبر ۱۱۴)

میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں۔

جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو فرمایا۔

"وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ"

(پارہ ۷، سورۃ الانعام۔ آیت نمبر ۵۲)

اور دُور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا خلق احسن تھا۔

جواب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ"

بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ ان کو ڈرا۔

"مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" (پارہ ۲۹، سورۃ نوح۔ آیت نمبر ۱)۔

اس سے پہلے کہ ان پر عذاب آئے۔

تو آپ کے کام کا آغاز عذاب ہے جب کہ حضور اکرم ﷺ کے حق میں فرمایا گیا

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"

(پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء۔ آیت نمبر ۱۰۷)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے۔

نیز فرمایا:

"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" (پارہ ۱۱، سورۃ توبہ۔ آیت نمبر ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان۔

حضرت نوح علیہ اسلام کے کام کی انتہا یہ ہے:

"رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا"

(پارہ ۲۹، سورۃ نوح، آیت نمبر ۲۶)

اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

جبکہ حضور اقدس ﷺ کی انتہاء شفاعت ہے۔

"عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا"

(پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۷۹)

قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

دوسرے اعتراضات کا جواب:

باقی رہا انبیاء کرام علیہ السلام کے معجزات کو دلائل نبوت کی کتابوں میں ہر ایک معجزہ کے مقابلے میں حضور اکرم ﷺ کے معجزہ کا ذکر ہے جو اس معجزہ سے افضل اور بڑھ کر ہے اس کتاب سے اس سے زائد ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ واللہ اعلم



امتِ محمدیہ اور شرک



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِهِ الْمُجْتَبٰی وَاَصْحَابِهٖ اِلٰی یَوْمِ الْجَزَاءِ وَلَوْ کَرِهَ الْمُنَافِقُوْنَ

اما بعد:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ اس کو مٹانے کی بے انتہا کوششیں کی گئیں مگر اس کی روشنی دن بدن اور زیادہ پھیلتی چلی گئی حتیٰ کہ اسلام کے بیرونی دشمنوں کی تائید وحمایت میں اندرونی دشمنوں (منافقوں) نے بھی اسلام اور اہلِ اسلام کو زک پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر وعدۂ الٰہی کے مطابق (وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ (پارہ ۲۸، سورہ الصف، آیت ۸) یعنی اللہ اپنا نور پورا فرمائے گا، پڑے برا مانیں کافر، اس کی عظمت بڑھتی ہی چلی گئی، حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السّلام کے نزول وحضرت سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ظہور کے وقت یہ وعدہ الٰہی بتمام وکمال آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔ اس دور کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمایا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیُفِیْضُ الْمَالَ حَتّٰی لَا یَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۷۹، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام، پہلی فصل)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ و



قدرت میں میری جان ہے، قریب ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام تم میں حاکم عادل بن کر تشریف لائیں گے تو صلیب توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور مال اس قدر بہائیں گے کہ اسے کوئی قبول نہ کرے گا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے افضل ہوگا۔

پہلی اُمتوں کی حالت:

پہلی اُمتوں میں ایسا بھی ہوا کہ نبی اللہ علیہ السّلام کی موجودگی میں بہت کم لوگوں کے سوا سب لوگ گمراہ ہو گئے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل میں ایسے ہی واقعات میں سے ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (پارہ ۱، سورہ البقرہ آیت نمبر ۵۱)

ترجمہ: اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ فرمایا، پھر اس کے پیچھے تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی کہ تم ظالم تھے۔

اس کی تفسیر میں صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۹۴۸ء تفسیر خازن کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

فرعون اور فرعونیوں کے ہلاک کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر کی طرف لوٹے اور ان کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے عطائے توریت کا وعدہ فرمایا اور اس کے لیے میقات معین کیا جس کی مدت معہ اضافہ ایک ماہ دس روز تھی۔ مہینہ ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ وجانشین بنا کر توریت حاصل کرنے کے لیے کوہ طور پر

تشریف لے گئے۔ چالیس شب وہاں ٹھہرے اس عرصہ میں کسی سے بات نہ کی۔

اللہ تعالیٰ نے زبرجدی الواح میں توریت آپ پر نازل فرمائی۔ یہاں سامری نے سونے کے جواہرات سے مرصع بچھڑا بنا کر قوم سے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے' وہ لوگ ایک ماہ حضرت کا انتظار کر کے سامری کے بہکانے پر بچھڑا پوجنے لگے' سوائے حضرت ہارون علیہ السلام اور بارہ ہزار ہمراہیوں کے تمام بنی اسرائیل (جو کہ لاکھ تھے) نے گوسالہ کو پوجا۔ خازن (تفسیر خزائن العرفان ص ۱۴، حاشیہ ۸۷)

اُمتِ محمدیہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا امتیاز:

اُمتِ مرحومہ محمدیہ علی صاحبہا الصّلاۃ والسّلام میں ایسا نہیں ہوسکتا کہ سب کے سب یا اکثریت سوادِ اعظم گمراہ ہوجائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام کو غلبہ دینے اور نورِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مکمل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (پارہ ۱۰، سورہ التوبہ ۳۲۔۳۳)

ترجمہ:۔ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہوں سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا' پڑے برا مانیں کافر۔ وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے' پڑے برا مانیں مشرک۔

اس کی تفسیر میں صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں۔

اور اس کی حجت قوی کرے اور دوسرے دینوں کو اس سے منسوخ کرے۔

چنانچہ الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ ضحاک کا قول ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ظاہر ہوگا جب کہ کوئی دین والا ایسا نہ ہوگا جو اسلام میں داخل نہ ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے' سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کے سوا ہر ملت ہلاک ہوجائے گی۔ (تفسیر خزائن العرفان ص ۲۷۸)

اس کی تفسیر میں علامہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ متوفی ۶۰۴ھ نے بہت ہی نفیس گفتگو فرمائی ہے جسکا خلاصہ پیش خدمت ہے' فرماتے ہیں۔ ''انبیاء کرام علیہم السلام کا حال کئی امور کے اجتماع سے کامل ہوتا ہے''۔

۱۔ معجزات و دلائل کی کثرت ہو۔

۲۔ ان کا دین ایسے امور پر مشتمل ہو کہ ہر ایک دیکھ سکے کہ یہ دین درستی وصلاح کا جامع، حکمت کے مطابق اور دنیا و آخرت کے فائدوں کے موافق ہے۔

۳۔ اس کا دین دوسرے تمام دینوں پر بلند ہو۔ اپنے مخالفین پر غالب اور منکر پر فائز ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں چیزوں کو اس آیت میں جمع فرما دیا ہے۔

امام رازی مزید فرماتے ہیں:

ایک شے کا دوسری شے پر ظہور کبھی حجت و دلیل کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی کثرت و وفور کے لحاظ سے اور غلبہ و استعلاء کے اعتبار سے' واضح رہے کہ ظہور اسلام کی خوشخبری سنائی جارہی ہے اور وہ بشارت مستقبل کے متعلق ہے جو کہ ابھی حاصل نہیں۔ حجت و دلیل کے لحاظ سے تو اسلام کا ظہور روزِ اول سے ہی معلوم و متعین ہے لہذا اس آیہ کریمہ میں ظہور اسلام سے مراد غلبہ اسلام ہے۔



اعتراض:

لِیُظْهِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (پارہ ۲۸، سورہ الصف، آیت ۹)

تقاضا تو یہ ہے کہ یہ تمام ادیان پر غالب ہو جب کہ ایسا نہیں ہوا کیونکہ اسلام ہند، چین، روم اور دوسرے کافر ملکوں پر غالب نہیں آیا۔

جواب:

امام رازی علیہ الرحمہ نے اس کے پانچ جواب دیئے ہیں۔

۱۔ اسلام کے خلاف جتنے بھی دین ہیں ان تمام پر اسلام کسی نہ کسی جگہ ضرور غالب آیا ہے اور وہ مغلوب ہوئے ہیں۔ اگرچہ ہر جگہ ایسا نہ ہو سکا۔ بلاد عرب میں یہودی مغلوب ہوئے۔ بلاد شام و روم اور یورپ میں عیسائی زیرنگیں ہوئے۔ مجوسی اپنے ملکوں میں شکست کھا گئے اور ترک و ہند کے بت پرستوں کے بہت سے علاقوں میں پرچم اسلام بلند ہوا' اسی طرح دوسرے ادیان پر بھی تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں جس بات کی بشارت دی ہے وہ رونما ہوگئی۔ یہ غیب کی خبر تھی جس کا سچا ہونا معجزہ قرار پایا۔

۲۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسلام کو تمام دینوں پر غالب فرمائے گا اور یہ اتمام و اکمال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری پر ہوگا۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت سیدنا مہدی رضی اللہ عنہ کے رونق افروز ہونے پر ہوگا۔ تو اس وقت ہر ایک یا تو اسلام میں داخل ہو جائے گا یا پھر جذیہ دے گا۔

۳۔ کہ اسلام کو جزیرہ عرب میں پائے جانے والے تمام دینون اور مذہبوں پر غالب فرمائے گا اور یہ ایسا ہی ہوا کہ جزیرۂ عرب میں کوئی کافر نہ چھوڑا۔



(مفاتیح الغیب معروف بہ تفسیر کبیر جز ۱۶ جلد ۸ ص ۴۱، ۴۲)

ان میں سے دوسرا جواب زیادہ قوی اور احادیث مرفوعہ کے مطابق ہے۔

علامہ حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اسی آیہ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

لِیُظْهِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ اَیْ عَلٰی سَائِرِ الْاَدْیَانِ کَمَا ثَبَتَ فِی الصَّحِیْحِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا وَ سَیَبْلُغُ مُلْکُ اُمَّتِیْ مَازُوِیَ لِیْ

اَلْمِقْدَادُبْنُ الْاَسْوَدُ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَبْقٰی عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ بَیْتٌ ممدد وَلَا وَبْرٍ اِلَّا دَخَلَتْہُ کَلِمَةُ الْاِسْلَامِ (تفسیر ابن کثیر ۲/۳۴۹)

ترجمہ:۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے' جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کے مشرقی و مغربی کنارے سب لپیٹ دیئے ہیں اور میری امت وہاں تک حکمرانی کرے گی جہاں تک میرے لیے لپیٹ دیا گیا۔

حضرت مقداد بن اسود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی شہری اور دیہاتی آبادی نہ بچے گی مگر اس میں اسلام کا کلمہ داخل ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین حق مغلوب نہ ہوگا بلکہ غالب ہی رہے گا' اور یہ غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر اپنے معراج کو پہنچ جائے گا' اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو ان کے بعد جب اللہ تعالیٰ چاہے گا یمن کی

طرف سے ایک ہوا چلے گی جس میں ہر وہ شخص فوت ہو جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اور زمین پر صرف بدنصیب بے ایمان ہی رہ جائیں گے جو پھر سے اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے، شرک سے لت پت ہو جائیں گے اور لات وعزیٰ کی پوجا شروع ہو جائے گی، اس کے بعد قیامت قائم ہوگی۔ چنانچہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰى يُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كُنْتُ لَاَظُنُّ حِيْنَ اَنْزَلَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اَنَّ ذٰلِكَ تَامًّا قَالَ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ مِنْ ذٰلِكَ مَا شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ تَعَالٰى رِيْحًا طَيِّبَةً فَتُوَفّٰى كُلُّ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَيَبْقٰى مَنْ لَّا خَيْرَ فِيْهِ فَيَرْجِعُوْنَ اِلٰى دِيْنِ اٰبَآئِهِمْ

(صحیح مسلم شریف ۲/۳۹۴، تفسیر مظہری ص ۶/۱۹۶، تفسیر ابن کثیر ص ۲/۳۵۰، مشکوٰۃ کتاب الفتن باب لاتقوم الساعۃ الاعلیٰ شرار الناس، پہلی فصل)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ رات اور دن کا دور اس وقت تک ختم نہ ہوگا جب تک کہ لات وعزیٰ کی پوجا نہ ہوگی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب یہ آیہ کریمہ "وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ پڑے برا مانیں مشرک"۔ نازل ہوئی تو میں سمجھی کہ یہ دین تمام وکمل ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے

فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا ایسا ہی ہوگا پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا تو جس شخص کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہوا وہ فوت ہو جائے گا۔ زمین پر صرف ایمان سے محروم لوگ ہی رہ جائیں گے۔ تو وہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔"

ایک حدیث شریف میں یوں آیا ہے:۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ رِيْحًا مِّنَ الْيَمَنِ اَلْيَنَ مِنَ الْحَرِيْرِ فَلَا تَدَعُ اَحَدًا فِيْ قَلْبِهٖ قَالَ اَبُوْ عَلْقَمَةَ مِثْقَالُ حَبَّةٍ وَّ قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ اِلَّا قَبَضَتْهُ (مسلم شریف جلد ۱، ص ۷۵، کتاب الایمان باب فی الریح التی تکون فی قرب القیامۃ ....)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یمن کی طرف سے ایک ہوا چلائے گا جو ریشم سے زیادہ نرم ہوگی۔ وہ ایسے کسی شخص کو نہ چھوڑے گی جس کے دل میں "ابو علقمہ کے قول کے مطابق" رائی کے برابر اور "عبد العزیز کے قول کے مطابق" ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا مگر اسے فوت کر دے گی۔

اس کی شرح میں امام شرف الدین نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

حَتّٰى تَقْبِضَهُمْ هٰذِهِ الرِّيْحُ اللَّيِّنَةُ قُرْبَ الْقِيَامَةِ وَعِنْدَ تَظَاهُرِ اَشْرَاطِهَا

ترجمہ: حتیٰ کہ یہ نرم ہوا قیامت کے قریب اور اس کی علامتیں ظاہر ہونے کے وقت اہل ایمان کی روحوں کو قبض کرے گی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ لات وعزیٰ کی پرستش اور شرک اس وقت ہوگا جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا سے تشریف لے جا چکے ہوں گے، مزید براں تمام

موٴمنین دنیا سے اٹھالیے گئے ہوں گے' جب کہ آپ کی آمد سے قبل اس حدیث شریف کوایمان والوں پر چسپاں کرنا ان لوگوں کی علامت ہے جن کو حدیث شریف میں منافق قرار دیا گیا ہے۔

ایک مخصوص گروہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اپنے چند ہزار ساتھیوں کے سوا تمام مسلمانوں بالخصوص حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر قرار دیا اور شرک کا فتویٰ لگایا اور بارھویں صدی ہجری میں محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ نے بھی اہل حرمین شریفین سمیت تمام امت کو مشرک قرار دے کر ان سے قتال کیا' ان کے اموال لوٹے اور طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اہل حرمین شریفین اور شرک کے متعلق قرآن عزیز کا فیصلہ کیا ہے تو ملاحظہ ہو۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَ مَا يُعِيْدُ

(پارہ ۲۲، سورہ السباء، آیت نمبر ۴۹)

ترجمہ: تم فرماؤ حق آیا اور باطل نہ پہل کرے اور نہ پھر آئے۔

(کنزالایمان امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ)

جناب مودودی صاحب نے ترجمہ یوں کیا ہے:۔

"کہو حق آ گیا ہے اور اب باطل کے کیے کچھ نہیں ہو سکتا۔"

(تفہیم القرآن ص ۲۱۲، جلد ۴)

نوٹ:۔ افسوس کہ مشرک سازوں کا ردّ بلیغ کرنے والی اس آیت مُبارکہ کی تفسیر میں تفہیم قرآن خاموش ہے کیونکہ اس کا مفہوم بیان فرما دیتے تو ان کی تفہیم کے درجنوں مقامات پر اُمّتِ مرحومہ پر لگائے گئے فتوہائے شرک از خود غلط ثابت ہو جاتے۔ یاللعجب

مذکورہ آیہ کریمہ کی تفسیر میں صدرالافاضل علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں:۔

"یعنی شرک و کفر مٹ گیا۔ نہ اس کی ابتداء رہی نہ اس کا اعادہ' مراد یہ ہے کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ (تفسیر خزائن العرفان ص ۶۲۸)

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ فرماتے ہیں:۔

قل یا محمد جاء الحق ان القرآن والاسلام و التوحید وما یبدئ الباطل و ما یعید ای ذهب الباطل یعنی الشرك وذهق وفلم یبق منه بقیة تبدئی شیئا وتعبد کماقال بل تقذف بالحق علی الباطل فید مغه فاذاهو زاهق و قال قتادة الباطل ابلیس ای ما یخلق ابلیس احداً و لا یبعثه و هو قول الکلبی ایضاً و قیل الباطل الاصنام۔ (تفسیر مظہری ص ۸/۸۳)

ترجمہ:۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دو۔ حق آ گیا یعنی قرآن اور اسلام اور باطل نہ پہل کر سکے گا نہ پھر لوٹ کر آئے گا۔ یعنی باطل اور شرک چلا گیا اور مٹ گیا اس کا کچھ حصہ باقی نہیں رہا اور نہ یہ پھر لوٹ کر آئے گا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا۔ بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجہ نکال دیتا ہے' وہ مٹ کر رہ جاتا ہے۔ (الانبیاء۔۱۸)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ باطل سے مراد ابلیس ہے یعنی یہ اب کچھ نہیں کر سکے گا اور نہ ہی کسی کو شرک پر ابھار سکے گا۔ حضرت کلبی بھی یہی فرماتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ باطل سے مراد بت ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۲۷۹ھ فرماتے ہیں۔

(قل جاء الحق) ای الاسلام والتوحید والقرآن و قیل السیف

لان ظهور الحق به و هو كما ترى (ما يبدئ الباطل) اى الكفر و الشرك (و مايعيد) ذهب واضمحل بحيث لم يبق له اثر۔ ماخوذ من هلاك الحى فانه اذا هلك لم يبق له ابداء اى فصل امر ابتداء ولا اعادة اى فصله ثانيا كما يقال لا يأكل ولا يشرب الميت۔

(تفسیر روح المعانی ص۱۵۶، جز۲۲ جلد۱۲)

ترجمہ: (فرمادو کہ حق آ گیا) یعنی اسلام اور توحید یا قرآن بعض کہتے ہیں کہ حق سے مراد تلوار ہے کیونکہ تلوار کے ذریعے حق کو غلبہ حاصل ہوا' لیکن یہ قول بس ایسا ہی ہے۔ (اور باطل پہل نہ کر سکے گا) باطل سے مراد کفر و شرک ہے (اور نہ پھر لوٹ سکے گا) یعنی جا چکا ہے اور ختم ہو گیا اس طرح کہ اس کا نام و نشان باقی نہیں رہا' یہ هلاك الحی سے ماخوذ ہے یعنی زندہ کا مر جانا۔ کہ اس کے لیے ابداء نہ رہی کہ کسی کام کی وہ ابتداء کر سکے اور نہ اعادہ رہا کہ اس کام کو دوبارہ کر سکے۔ جیسا کہ کہتے ہیں وہ نہ کھائے گا اور نہ پئے گا۔ یعنی مر چکا ہے۔

مذکورہ آیہ کریمہ اور اس کی تفسیر میں مفسرین کی وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ شرک نہ ہونے کا وعدہ فرما لیا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَاد (پارہ۳، سورہ آل عمران، آیت نمبر۹)

کہ اللہ تعالیٰ وعدہ کا خلاف نہیں فرماتا۔ اس وعدہ الٰہیہ کی موجودگی کے باوجود جو شخص مسلمانوں بالخصوص حرمین شریفین میں شرک پاتا ہے۔ درحقیقت وہ جس چیز کو شرک کہہ رہا ہے وہ شرک ہے ہی نہیں۔ یہ اس کی کج فہمی کا نتیجہ ہے کہ غیر شرک کو شرک قرار دے کر وعدہ الٰہیہ کی تکذیب کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کج فہمی اور اُمتِ مُسلمہ کے متعلق بدگمانی سے محفوظ رکھے آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین

مولانا طارق جمیل صاحب
کے خطابات کی ایک جھلک
اُمتِ مسلمہ کا خطیبِ مصقع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ

(پارہ ۶، المائدہ، آیت ۵۴)

اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کریں گے۔

اللہ جل جلالہٗ نے اپنی پسندیدہ قوم کا تذکرہ فرماتے ہوئے ان کے روشن کردار کو یوں بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے ہیں اور ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت کا ہر ایک معترف ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے نہ جہاد کیا ہو اور نہ ہی کبھی جہاد کے بارے میں خیال کیا ہو وہ منافقت کے ایک حصے پر مرا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف، کتاب الجہاد)

لہٰذا جہاد نہ کرنا اور نہ ہی جہاد کا ارادہ رکھنا' منافقت کا حصہ ہے۔ جو اہل ایمان حضرات خود جہاد پر نہیں جا سکتے وہ مجاہدین کیلئے دعا گو رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ شریف میں کچھ لوگ ایسے موجود ہیں کہ تم جہاں بھی چلے ہو یا جس وادی کو بھی طے کیا ہے وہ تمہارے ساتھ ہی رہے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ وہ مدینہ شریف میں موجود ہوتے ہوئے ہمارے ساتھ شریک ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ مدینہ طیبہ میں موجود ہیں' ان کو عذر نے روک رکھا ہے۔ حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ وہ دل' ہمت اور نیت کے ساتھ تمہارے ساتھ شریک ہے۔

ان احادیث طیبہ سے واضح ہو گیا کہ جہاد کرنا یا جہاد والوں کے حق میں دعا گو رہنا اور جہاد کا موقع ملنے اور قدرت ہونے پر نکلنا' اہل ایمان کا وطیرہ ہے۔ آیت کریمہ کا دوسرا حصہ ہے کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کریں گے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت' اقامت' حدود' کفار سے لڑائی' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا انہیں کوئی ڈر نہ ہو گا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا۔ ان میں سے ایک چیز یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہ رکھوں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی خود کو اس بات سے حقیر نہ بنا لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں گفتگو کی مجال اور گنجائش پائے اور بات نہ کرے۔ جو آدمی اس موقع پر بات نہ کرے گا اسے قیامت کے دن فرمایا جائے گا کہ فلاں فلاں موقع پر تمہیں بات کرنے سے کس نے روکا تھا۔ وہ بندہ کہے گا کہ لوگوں کے خوف سے بات نہ کر سکا۔

فَيَقُوْلُ اِيَّايَ اَحَقُّ اَنْ تَخَافَ

کہ میں اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہوں کہ تو مجھ سے ڈرے

ان آیات کریمہ اور احادیث طیبہ سے اظہار حق کی عظمت اور اہل جہاد کی فوقیت واضح ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ اور دین کی حدود کی پاسداری اور عظمتِ اسلام کے معاملہ میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کرنے والے لوگ اللہ رب العزت کے محب اور محبوب ہوتے ہیں۔

اس حقیقت کے برعکس جہاد سے روگردانی کرنے والوں کو حدیث شریف کے مطابق منافق قرار دیا گیا ہے۔ یہ سراپا رنج والم بھی امریکہ اور یہود و ہنود کا گٹھ جوڑ دیکھتا ہے اور

اخبارات میں آئے دن نت نئی افسوسناک خبریں پڑھتا ہے تو فی الفور دعوت وتبلیغ کے عالمی مرکز رائے ونڈ کی طرف دھیان جاتا ہے کہ اس مرکز سے نکلنے والی جماعتیں پوری دنیا میں پھیل رہی ہیں جبکہ کفر اسلام کا نام سننا گوارا نہیں کرتا' انہیں پاسپورٹ کیسے مل جاتے ہیں؟

امریکہ میں ہمارے وزیروں اور جرنیلوں کے جوتے تک اتروا کر تلاشی لی جاتی ہے' بستروں پر کیوں اعتبار کیا جاتا ہے؟

ہر داڑھی والے کو دہشت گردی کی علامت سمجھ کر قابل نفرت ٹھہرایا جاتا ہے' ان کو کیوں مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا؟

یہ سراپا رنج والم اس غم میں مبتلا تھا کہ ایک کتابچہ ہاتھ لگ گیا جس میں صاحب کتابچہ نے بڑے وثوق سے یہ افسوسناک خبر درج کی ہے کہ جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا اور طالبان کی پُر امن حکومت کو نیست و نابود کرتے ہوئے وہاں کی دھرتی کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ انہیں دنوں جبکہ لڑائی اور حملہ جاری تھا کہ رائیونڈ میں تبلیغی جماعت کا عالمی اجتماع منعقد ہوا۔ ۴ نومبر ۲۰۰۱ء بروز اتوار کے اس اجتماع میں بڑی عاجزی' سوز و گداز اور آہ و بکاہ سے دعا کی گئی اور دعا کے شرکاء تو اسے سارے سال کی محنت کا ثمر جان کر خوش ہو رہے تھے کہ ہماری قسمت کا ستارہ جاگ رہا ہے اور ہمارے گناہ دُھل رہے ہیں' اللہ کے ولیوں کا پاکیزہ کردار اور پر رونق سنگ نصیب ہو گیا ہے' جبکہ دوسری طرف یہ حدیثیں سنائی جا رہی تھی جو کہ کنز العمال پہلی جلد میں فصل فی صفات المنافقین کے عنوان سے درج ہیں۔

پہلی حدیث:

اِذَا تَمَّ فُجُوْرُ الْعَبْدِ مَلَكَ عَيْنَيْهِ فَبَكٰى مِنْهُمَا مَتٰى شَاءَ

جو آدمی فجور و نافرمانی میں پورا ہو جاتا ہے تو اپنی آنکھوں کا مالک بن جاتا ہے تو ان آنکھوں سے جب چاہے آنسو بہا لیتا ہے۔ (کنز العمال جلد ۱، حدیث ۸۴۷)

دوسری حدیث:

اَلْمُنَافِقُ يَمْلِكُ عَيْنَيْهِ يَبْكِىْ كَمَا شَاءَ

کہ منافق اپنی آنکھوں کا مالک بن جاتا ہے تو جب چاہے رو لیتا ہے۔

(کنز العمال جلد ۱، حدیث ۸۵۴)

بالخصوص مولانا طارق جمیل کے صدق و سوز کی آئینہ دار دُعا پر جس انداز میں کڑی تنقید پڑھنے سننے میں آ رہی ہے اس کا کچھ خلاصہ یوں ہے۔

مولانا روتے اور بلکتے ہوئے دعا کرتے ہیں۔

تیرے بندے تیرے سامنے کتنے بیٹھے ہیں' کتنے تیرے سامنے بیٹھے ہیں' وہ بھی ہمارے ساتھ رو رہے ہیں' میرے مولا! یہ زمین بھی رو رہی ہے' یہ گھاس کا تنکہ تنکہ بھی ہمارے ساتھ رو رہا ہے' یہ میز یہ کرسی ہمارے ساتھ رو رہی ہے (مردان صوبہ سرحد کے تبلیغی اجتماع منعقدہ ۳۰ مئی ۲۰۰۳ء میں مولانا طارق جمیل کی درد بھری دعا)

اس دُعا پر طرح طرح کے طعن سننے میں آ رہے ہیں' کوئی کہتا ہے کہ طارق جمیل کا جھوٹ ہے کہ تنکے رو رہے ہیں' در و دیوار رو رہے ہیں' کیا طارق جمیل کو وحی آتی ہے یا الہام ہو رہا ہے یا ان کی سماعت اتنی تیز ہے کہ بے جان کا رونا سن رہے ہیں یا سراسر جھوٹ بول رہے ہیں اور

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ (پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت نمبر ۶۱)

کا طوق پہننے کے شوق میں بے خود و بے ساختہ ہو رہے ہیں۔

بعض حضرات یوں بھی کہتے ہیں کہ یہ مولوی کے اندر شیطان بول رہا ہے کہ

خود کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھا کر ظاہر کر رہا ہے۔ آپ ﷺ کی یاد میں رونے کا واقعہ ضرور موجود ہے' استنِ حنانہ کا رونا۔

استن حنانہ از ہجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
در وجد آمد ہمچو ارباب عقول

(مثنوی مولانا روم قدس سرہٗ)

اس سراپا رنج والم نے اس واقعہ میں صرف ایک ستون کا رونا سنا ہے جبکہ طارق جمیل کی دعا ہے کہ یہ گھاس کا تنکہ تنکہ بھی ہمارے ساتھ رو رہا ہے' یہ میز یہ کرسی ہمارے ساتھ رو رہی ہے۔ مولانا طارق جمیل صاحب کی دعا کا یہ حصہ بطورِ خاص ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے۔

''کہ یہ سارا مجمع تیری محبت میں رو رہا ہے' میں ان کے لئے قسم کھاتا ہوں۔ یااللہ! میں اپنی قسم نہیں کھاتا' میں ان کی قسم کھانے کو تیار ہوں۔

کیا مولانا طارق جمیل صاحب کو علم غیب حاصل ہے اور تمام لوگوں کے ایمان ونفاق کا پوری طرح علم ہے' کیا رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کے بارے میں اکابرین دیوبند کے عقیدہ کے برعکس تبلیغی جماعت نے نیا عقیدہ تراش لیا ہے کہ مولانا طارق جمیل کو ہر آنے والے اور رونے والے کا پوری طرح علم ہوتا ہے اور اس پر وہ قسم دینے کیلئے بھی تیار ہے۔ بہرحال ناقدین کی بہت ساری باتیں اور کوسنے سننے میں آرہی ہیں۔

آمدم برسر مطلب:

بات ہو رہی تھی کہ تبلیغی اجتماع کی دعا پر رونے والے اُمتِ مرحومہ کے غم میں جس طرح روتے ہیں' دھوتے ہیں' بلکتے ہیں' حتیٰ کہ ان کی حالتِ زار پر رحم آنے لگتا

ہے۔ مگر ۴ نومبر ۲۰۰۱ء بروز اتوار کے اجتماع کی دعا کے متعلق ملک کے معتبر ترین مؤقر روزنامہ نوائے وقت کے پہلے صفحہ پر درج تھا کہ ''اجتماع میں افغانستان کے بارے میں دعا نہیں کی گئی''۔ (۵ نومبر ۲۰۰۱ء)

کیا ان کے اندر اُمت کی جلن کا یہ تقاضا نہ تھا کہ امریکہ کی بربادی اور افغان مجاہدین کی سرفرازی کی دعا کرتے اور اتنا مجمع (جن سب کے مخلص ہونے پر طارق جمیل صاحب قسم دینے کو تیار ہیں) آمین کہتے تو ان کی دعا اگر رنگ دکھا دیتی تو آج جامع حفصہ کی بربادی اور دیگر واقعات رونما نہ ہوتے۔

اُمید کی کرن:

ان حالات میں جبکہ مولانا طارق جمیل صاحب کی تقریروں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ بندہ نے سوچا کہ چلو مرکز میں اجتماعی دعا کے موقع پر اگر کسی اندرونی کیفیت کے پیشِ نظر دعا نہیں کی تو مولانا اپنی دوسری دعاؤں میں ضرور دعا کرتے ہوں گے مگر میرے علم میں ابھی تک یہ نہیں آیا کہ انہوں نے فلاں خطاب کے بعد ایسی دعا کی ہو۔ اس کے باوجود بندہ ان کی تقریروں سے روشنی تلاش کرنے میں لگا رہا۔ اس دوران بعض نفرت رکھنے والوں نے مجھے یہ حدیثیں سنانا اور اصل کتابیں دکھانا شروع کر دیں۔

پہلی حدیث:

مَا اُعْطِیَ عَبْدٌ شَیْئًا شَرًّا مِنْ طَلَاقَةِ لِسَانِهٖ

بندے کو ایسی کوئی چیز نہیں عطا کی گئی جو طلاقتِ لسان سے زیادہ بُری ہو۔

(کنز العمال جلد ۳، حدیث ۷۸۹۲)

طلاقتِ لسان سے مراد ہے' بڑی روانی سے بات کرنا اور کرتے چلے جانا۔

دوسری حدیث:

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ مجھے اپنی اُمّت کے بارہ میں کسی مومن یا کسی مشرک کا خوف نہیں ہے' لیکن مومن کو تو اس کا ایمان روک لے گا اور مشرک کو اس کا کفر پھیر دے گا (کہ وہ ضرر نہ پہنچا سکے گا)

لٰکِنْ اَتَخَوَّفُ عَلَیْکُمْ مُنَافِقًا عَلَیْهِمُ اللِّسَانُ مَا تَعْرِفُوْنَ
وَ یَعْمَلُ مَا تُنْکِرُوْنَ

لیکن تمہارے متعلق مجھے زُبان دان مُنافِق کا خطرہ ہے' جو کہیں گے وہ جو تم جانتے ہو اور کریں گے وہ جسے تم بُرا سمجھتے ہو۔

اس کی وضاحت اس حدیث شریف سے ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے خوارج کی نشاندہی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

قَوْمٌ یُحْسِنُوْنَ الْقِیْلَ وَ یُسِیْئُوْنَ الْفِعْلَ

خارجی قوم باتیں حسین و جمیل کرے گی اور کردار کی گندی اور قبیح ہو گی۔

(بیہقی شریف، جلد ۸، ص ۲۹۷)

اس حدیث شریف کا مصداق دیکھنا ہو تو بہت دور جانے کی ضرورت نہیں' مولانا طارق جمیل صاحب اپنے خطابات میں خود بیان کرتے ہیں کہ "آج کے دور میں نکاح مہنگا اور زنا سستا ہو گیا ہے۔" "خطاباتِ جمیل"

انہیں مولانا کا اپنا حال ملاحظہ ہو جن کی عظمت پر ہزاروں حلف دینے کو تیار ہیں' جنہیں عالمی مبلغ کے طور پر دنیا پہچانتی ہے' جن کی طلاقتِ لسان پر ایک جہاں گرویدہ ہے' جن کیلئے منیٰ شریف میں بطورِ خاص درس دینے کا اہتمام کیا جاتا ہے' جنہیں وزیرِ اعلیٰ سندھ

تبلیغی گشت کے لئے ہیلی کاپٹر مہیا کرتے ہیں' جنہیں وزیرِ اعظم کابینہ میں خطاب کی دعوت دیتے ہیں' جن کی سادہ زندگی پر مر مٹنے کیلئے ان گنت لوگ تیار ہیں' اور شاید ان کی ولایت پر شک کرنے والے کو تو وہ دائرہ اسلام میں داخل رہنے کی اجازت دینے کیلئے تیار نہ ہوں۔

انہوں نے اپنے عزیز القدر فرزندِ دلبند محمد یُوسُف جمیل کی شادی جس دھوم دھام سے کی اُس کا چرچا اخبارات میں کئی دن تک ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اس اللہ والوں کے سرخیل نے' جو دنیا کے مال سے اس قدر بے رغبتی رکھتا ہے' اسے کوئی پائی پیسہ نہیں لینا' صرف ایکڑوں کے حساب سے زمین خریدتا ہے۔ آپ تلمبہ کے پٹواری سے دریافت کریں کہ اس کی موروثی زمین کتنی ہے اور اب کتنے سو ایکڑ کا اضافہ ہوا ہے۔

حُبُّ الدُّنْیَا رَاْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ

دُنیا کی محبّت ہر غلطی کی بنیاد اور جڑ ہے۔

سے ظاہر ہے کہ سینکڑوں ایکڑ اراضی کا اضافہ زرعی پیداوار سے نہیں ہوا بلکہ یہ تبلیغ کی برکات کا اثر ہے۔ الغرض ان کے صاحبزادے کی شادی سے اہلِ دل تڑپ اُٹھے' اہلِ بصیرت تلملا اٹھے' اہلِ نظر کی آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئیں۔ عوام کی فلاح کی فکر رکھنے والے اور بے سہارا بچیوں کی شادی بیاہ کے بارہ میں بے قرار رہنے والے دردمند اہلِ قلم بھی ششدر رہ گئے۔ روزنامہ ایکسپریس کی 31-03-2007 کی اشاعت میں ایک نامور صحافی ثناء اللہ بھٹہ راولپنڈی کا مراسلہ شائع ہوا جو کہ بلفظہٖ درج کیا جاتا ہے۔

مولانا طارق جمیل کی توجّہ کیلئے:

مکرمی! میں آپ کے مؤقر روزنامہ کی وساطت سے جناب مولانا طارق جمیل صاحب سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ دو روز پہلے کے روزنامہ ایکسپریس میں یہ

خبر پڑھی کہ وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی اور وزیر اعلیٰ سندھ ڈاکٹر ارباب غلام رحیم نے تلمبہ کی نواحی بستی رئیس آباد موضع حسین پور آڑی والا میں مولانا طارق جمیل کے صاحبزادے محمد یوسف جمیل کی دعوت ولیمہ میں شرکت کی۔ وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی شادی میں شرکت کیلئے ہیلی کاپٹر کے ذریعے آڑی والا پہنچے تو صوبائی مشیر حافظ اقبال خاکوانی، ضلع ناظم خانیوال سردار احمد یار ہراج، ڈی سی او محمد خاں بھٹی، تحصیل ناظم پیر شجاعت حسنین قریشی اور مولانا طارق جمیل نے ان کا استقبال کیا۔ شادی کی تقریب میں وفاقی وزراء حاجی سکندر حیات بوسن، رضا حیات ہراج، صوبائی وزراء خادم حسین وٹو، معین ریاض قریشی، خواجہ نور محمد سہو، ضلع ناظم ملتان فیصل مختار، ضلع ناظم لودھراں عبدالرحمٰن کانجو، تحصیل ناظم کبیر والا مہر اکبر حیات ہراج، ایم پی اے رانا سرفراز، سابق گلوکار جنید جمشید، سابق کرکٹر سعید انور، سرکاری افسروں اور ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے شرکت کی، ہماری طرف سے بھی شادی کی مُبارک باد قبول فرمائیں۔ یہ خبر پڑھ کر طبیعت پر کچھ بوجھ محسوس ہوا تو آپ کو خط لکھنے کی جرأت کی۔ ہر صاحب حیثیت اپنے بچوں کی شادی دھوم دھام سے کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہ ہمارا کلچر ہے نہ کہ اسلامی۔ چند دن پہلے جناب حسن نثار صاحب کا روزنامہ ایکسپریس میں آرٹیکل چھپا تھا جس میں انہوں نے اس کو کنجر کلچر کا نام دیا تھا۔ اس آرٹیکل کے بعد انہوں نے اور جناب عباس اطہر صاحب نے بھی اپنے بچوں کی شادیاں نہایت سادگی سے کیں۔ ان کی یہ حیثیت مُسلّمہ ہے کہ اگر وہ کسی کو بھی دعوت دیتے تو سب چلے آتے مگر انہوں نے غرباء کی بچیوں کا خیال کرتے ہوئے اس دھوم دھام سے اجتناب کیا۔

آپ ہمارے راہنما اور راہبر ہیں، ہم سے زیادہ صاحب عمل اور علم ہیں، ہو سکتا ہے ہم کو کوئی غلطی لگ رہی ہو، ہمارا گمان آپ کیلئے ہمیشہ اچھا ہے اور اچھا رہے گا۔ آپ کے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تین ولیموں کا ذکر ملتا ہے۔

ایک میں صرف دودھ کا گلاس، ایک میں جو کی روٹی اور ایک میں کہا کہ اپنے اپنے گھر سے کھانا لے آؤ مل کر کھاتے ہیں، میرا ولیمہ ہو جائے گا۔ آپ ہم سے بہتر سمجھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا المیہ اور روگ غیر اسلامی طریقۂ شادی ہے۔ رسُولُ اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ شادی سے سے بہتر ہے جس میں خرچہ کم سے کم ہو، اور وہ بہت ہی بُرا ہے جس میں غُرباء کو شامل نہ کیا جائے۔ جس دن شادی تبلیغی جماعت والوں کی تبلیغ کے مُطابِق یعنی سادگی اور بے خرچہ کے ہونے لگے گی اس دن معاشرے سے چوری، رشوت، ڈاکہ زنی اور زِنا جیسی لعنتیں ختم ہو جائیں گی۔ ہم لوگوں نے نکاح مہنگا اور زنا سستا کر دیا ہے۔

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے کہ غریب کیوں جوان بچیوں کو قتل کر کے خودکشی کر لیتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ معاشرے میں اس سنگین برائی کے خاتمہ کیلئے عملی اقدام اُٹھائیں گے، الحمد للہ مذہبی لوگوں میں سب سے زیادہ لوگ آپ کو مانتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے ہیلی کاپٹر پر ہزاروں کا پٹرول جو غریب غرباء کے خون پسینے کی کمائی سے ٹیکس کی شکل میں حاصل کیا جا رہا ہے، لگا دیا۔ سب وزراء نے بھی سرکاری گاڑیاں اور پٹرول خرچ کیا ہوگا۔ ازراہِ مہربانی میری بات اگر ناگوار گزرے تو معاف کر دیں، میں آپ کا پرستار ہوں۔ اس حساب سے دکھ ہوا ہے کہ آپ ہمارے راہنما ہیں، ہمارے تبلیغی حلقہ چکلالہ راولپنڈی میں جناب بریگیڈیئر گل بادشاہ اور بریگیڈیئر محمد عبّاس نے

صاحبِ حیثیت ہونے کے باوجود اپنے بچوں کی شادیاں بڑی سادگی سے کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بچوں کو آپ کو آپ کے بچوں کو دونوں جہانوں کی نعمتوں سے سرفراز کرے۔ (دُعا گو: ثناء اللہ بھٹہ ایس۔۳ عسکری چکلالہ سکیم)

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس سرگودھا ۳۱ مارچ ۲۰۰۷ء)

یہ تو ان کے صاحبزادے کی شادی کا حال تھا' اب مُلاحظہ ہو اس اللہ کے ولی کی حکیمہٗ اُمّت اور حضرتِ لاہورن کا حال جو طالبات کیلئے ایک عدد مدرسہ چلا رہی ہیں' جن کی تربیت سے سینکڑوں اُمّہاتِ الیاس وزکریا تیار ہورہی ہیں' جن کی آغوشِ پناہ میں صدہا بے سہارا اپنی زندگی کو صحابیات اور رضوان اللہ علیہن کا نمونہ بنا رہی ہیں' جن کی نظرِ التفات سے اور شفقتِ مادرانہ سے ان گنت دوشیزائیں مبلغاتِ تبلیغ کے میدان کی شہسوار بننے والی ہیں۔ جن کی ایک نگاہِ کریمانہ سے رنڈیوں کی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔ جن کے درس میں داخل ہونے والی بے راہ روی کا شکار' فیشن کی دنیا کی بہار' میک اپ اور بناؤ سنگھار کی دلدادہ و فدا کار' چُست لباس و جسم آشکار' ملک و ملّت کیلئے باعثِ شرم و عار' آن ہی آن میں ان جُملہ خرافات سے یکسُو ہوکر دین کی محنت میں اس طرح لگ جاتی ہیں کہ مستقبل کے اولیاء اُنہیں کی گود میں پھلیں پھولیں گے۔ آئندہ کے اغواث' اقطاب کی معدن وکان یہی تو ہیں۔ آئندہ نبوّت کی ذمّہ داری اُٹھانے والوں کی پاکیزہ جماعت انہیں کے راستے سے دُنیا میں نمودار ہوگی۔

مولانا طارق جمیل صاحب کی ایسی پاکیزہ مطہرہ زاہدہ فی الدنیا' راغبہ الی الآخرہ' جنّتی حُوروں کیلئے باعثِ رشک بننے کا ذوق رکھنے والی مخدومہ رائیونڈیاں صفیہ بی بی زوجہ مولانا طارق جمیل صاحب کا اپنا حال مُلاحظہ ہو۔

معروف بیوٹی پارلر سے طارق جمیل کی اہلیہ اور بھابھی کے زیورات چوری

مُمتاز عالمِ دین کی بھابھی اور اہلیہ کے فیشل کے دوران ملازماؤں نے پرس غائب کرلئے' پارلر کی مالکہ بیرونِ ملک چلیں گئیں۔

لاہور (محمد اعظم چوہدری) ایم ایم عالم روڈ گلبرگ میں معروف بیوٹی پارلر ڈیپلکس سے ممتاز عالم دین طارق جمیل کی اہلیہ اور ان کے بھائی ممتاز کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر طاہر کمال کی اہلیہ کے لاکھوں روپے مالیت کے زیورات اور نقدی چوری ہوگئے۔ گلبرگ پولیس نے مقدمہ درج کرلیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ۲۰ جولائی ۲۰۰۷ء کو طارق جمیل کی اہلیہ صفیہ بی بی اور مولانا کی بھابھی ڈاکٹر عائشہ طیبہ خا کوانی فیشل کروانے کیلئے ڈیپلکس بیوٹی پارلر گئیں جہاں سے ان کا ایک پرس چوری ہوگیا۔ ڈاکٹر عائشہ کے مطابق اس پرس میں دو عدد طلائی کڑے' ایک جوڑی جھمکا کانٹا' ایک عدد ٹاپس' ایک جھومر' ایک چین اور دیگر زیورات کے علاوہ ۸۰ ہزار روپے موجود تھے۔ ڈاکٹر عائشہ نے الزام لگایا ہے کہ ڈیپلکس کے سٹاف نے فیشل کے بہانے دونوں خواتین کی آنکھوں پر کپڑے ڈال کر ان کا پرس غائب کرلیا۔ گلبرگ پولیس نے ڈاکٹر عائشہ کی درخواست پر مقدمہ درج کرلیا لیکن مقدمہ میں بیوٹی پارلر کی مالکہ مسرّت مصباح کو نامزد کرنے کی بجائے دو ملازم لڑکیوں کو نامزد کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ لیڈی پولیس کی بجائے مرد پولیس اہلکاروں نے بیوٹی پارلر پر چھاپہ مارا اور وہاں کام کرنے والی خواتین کو ہراساں کیا گیا۔ باوثوق ذرائع سے مَعلُوم ہوا ہے کہ ڈیپلکس کی مالکہ مسرّت مصباح مذہبی پارٹیوں اور مذہبی راہنماؤں سے خوف زدہ ہوکر گذشتہ رات ملک سے باہر چلی گئی ہیں۔ نیز یہ خبر روزنامہ ''جنگ'' میں شائع ہوئی۔

مولانا طارق جمیل کی شہرت کا راز:

دنیا میں بڑے بڑے نامور مقرر اور خطیب ہو گزرے ہیں جن کے خطابات پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے' مگر اس دور کے وسائل میں عالمی سطح پر پھیلنے اور جہاں بھر میں گھوم پھر کر خطاب کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ جبکہ مولانا طارق جمیل جس دور کے خطیب ہیں' ایک لمحہ میں دُنیا بھر کو اُن کا خطاب سُنایا اور دِکھایا جا سکتا ہے اور دکھایا جا رہا ہے۔ اس پُرفتن دَور میں جہاں افغانستان اور عراق میں جنگ جاری ہے' فلسطینی اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ پاکستان خاکم بدہن ایٹمی قوت ہونے کے باوجود غیر یقینی صورتِ حال سے گزر رہا ہے۔ مسجدوں میں' اور امام بارگاہوں میں بم دھماکے ہو رہے ہیں' دارالحکومت اسلام آباد میں جامعہ حفصہ جیسے مرکز کو تباہ کیا جاتا ہے۔ مزید براں فرقہ واریت کا عفریت مُنہ کھولے مسلمانوں کو باہمی جدال وقتال کی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ اس پرفتن دَور کے متعلق رسُولِ کریم ﷺ کا اِرشادِ گرامی ہے کہ سیّدِ کائنات' فخرِ موجودات' غم خوارِ اُمّت ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ مِنْ بَعْدِكُمْ زَمَانًا كَثِيْرٌ خُطَبَائُهٗ وَقَلِيْلٌ عُلَمَاؤُهٗ

تمہارے بعد زمانہ آئے گا جس میں خطیب بکثرت ہوں گے جبکہ علماء کم ہوں گے۔ (مجمع الزوائد)

ایسا ہی دَور آ رہا ہے جس کے متعلق والیٔ اُمّت ﷺ نے اِرشاد فرمایا ہے:

يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَسْتَخْفِيْ الْمُؤْمِنُ فِيْهِمْ كَمَا يَسْتَخْفِيْ الْمُنَافِقُ فِيْكُمْ الْيَوْمَ

کہ لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگوں میں مومن اس طرح چھُپ کر رہے

گا جس طرح کہ آج مُنافِق تم میں چھپ کر رہتا ہے۔

(کنز العمال شریف، حدیث ۳۱۱۱۱، جلد ۱۱، ص ۱۷۶)

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے چوتھے فتنے کا ذکر فرمایا کہ اس فتنے کے شر سے وہی نجات پا سکے گا جو اس طرح دعا کرے کہ جس طرح پانی میں ڈوبنے والا دعا کرتا ہے۔ اس فتنہ میں نیک بخت آدمی وہ ہی ہوگا جو پرہیزگار ہو اور یکسُو ہے' جب وہ سامنے آئے تو لوگ اسے پہچانیں نہ' اور جب وہ گوشہ نشین ہو جائے تو اُسے تلاش نہ کیا جائے۔

وَاَشْقَى النَّاسِ كُلُّ خَطِيْبٍ مُصْقِعٍ اَوْرَاكِبُ مَوْضِعٍ

ہر بلند بانگ/ سینہ زور/ مسلسل بولتے چلے جانے والا خطیب اور ہر تیز رفتار سوار سب لوگوں سے زیادہ بدبخت ہوگا۔

(حوالہ: کنز العمال شریف ص ۲۴۴، حدیث شریف ۳۱۴۸۹)

سراپا رنج والم نے مولانا طارق جمیل صاحب کے خطابات سُننے اور خُطباتِ جمیل و بیاناتِ جمیل پڑھنے کا ذوق رکھنے والے کئی حضرات کو ان کی تقریروں کے اقتباسات سنائے ہیں اور خطباتِ جمیل کتاب کے اقتباسات پڑھائے جس کے بعد وہ سب کے سب ان کو سُن کر پریشان ہو جاتے ہیں' کیونکہ مرکز میں بیٹھے ہوئے جماعتیں روانہ کرنے والے بزرگ اس خطیبِ مصقع کی کارستانیوں سے جاہل و بے خبر ہیں یا کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے مراقبہ میں گردن جھکائے بیٹھے ہیں یا یہ کہ مولانا ان پر اتنے حاوی ہو چکے ہیں کہ وہ اس خطیبِ مصقع کے سامنے اظہارِ حق سے عاجز ہو چکے ہیں جبکہ اظہارِ حق ضروری ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

كَاتِمُ الْعِلْمِ يَلْعَنُهُ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّى الْحُوتُ فِي الْبَحْرِ وَالطَّيْرُ فِي السَّمَاءِ کہ علم کو چھپانے والے پر ہر شئے لعنت کرتی ہے حتیٰ کہ سمندر میں مچھلیاں اور آسمانی فضا میں پرندے بھی اُس پر لعنت کرتے ہیں۔

(کنز العمال شریف جلد ۱۰، ص ۱۹۰، حدیث ۲۸۸۸۷)

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ "علم کے معاملہ میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کرو اور کوئی آدمی دوسرے سے علم نہ چھپائے کیونکہ علم میں خیانت مال میں خیانت سے زیادہ سخت ہے۔ (کنز العمال شریف جلد ۱۰، ص ۱۹۰)

ان حالات میں بندۂ ناچیز، سراسر عجز و نیاز، سراپا رنج والم مرکز میں جلوہ افروز تبلیغی بزرگوں سے گزارش کرنے کی جسارت کرنے سے پہلے ایک حدیث شریف کا ذکر کرتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ مِنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهٗ فَاَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلِجَامٍ مِنْ نَّارٍ کہ جس سے کوئی علم کی بات پوچھی جائے تو وہ چھپائے تو اُسے اللہ تعالیٰ آگ کی لگام ڈالے گا۔ (ابوداؤد شریف ص ۱۵۹، حدیث ۳۴۶۔ مشکوٰۃ کتاب العلم، دُوسری فصل)

سراپا رنج والم عرض کرتا ہے کہ جنابِ والا! آپ حضرات کو اس مولوی طارق جمیل صاحب کی حُبِّ دُنیا، سینکڑوں اراضی کی خریداری، اللہ جَلَّ شانہٗ کے بارہ میں بے باکیاں، حضرات انبیاء کرام علیہم الصَّلوٰات والتسلیمات کے اسماء گرامی عامیانہ انداز میں

لینا۔ اولوالعزم ملائکہ کرام علیہم کیلئے معمولی انداز اپنانا مثلاً بکتا ہے۔ آج موت نے سب کو کڑوا گھونٹ پلا دیا۔ آج جبرائیل بھی مر گیا اور میکائیل بھی مر گیا اور اسرافیل بھی مر گیا اور عرش کے فرشتے بھی مر گئے اور وہ عزرائیل سب کی جان لینے والا آج یہ دیکھو اوندھا پڑا ہے۔ اس طرح دیگر معظمین کے بارہ میں سوقیانہ انداز اپناتا ہے۔ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب نصیحت فرمائی تو مولانا طارق جمیل کی یاوہ گوئی کا اندازہ کریں کہ بیان کرتا ہے۔ وہ عورت کہنے لگی، ایک زمانہ تھا تو عُمری عُمری کہلاتا تھا، پھر تجھے عُمر کہنے لگے، پھر تُو امیر المومنین بن گیا، اللہ سے ڈر کے رہا کر۔ تو حضرت عُمر رضی اللہ عنہ ایسے بھیگی بلی بنے سُن رہے۔ ایسے سُن رہے کہ جب وہ بُڑھیا چلی گئی تو لوگوں نے کہا: امیر المومنین! اس بُڑھیا کی خاطر آپ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ کہا: ارے، ارے بدھو، پتہ نہیں یہ کون ہے، یہ وہ ہے جس کی عرشوں پر رب نے سُنی تھی، زمین پر کیسے نہ سُنتا، یہ خولہ ہے، یہ خولہ بنت ثعلبہ

(بیاناتِ جمیل جلد دوم ص ۸۳، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اس یاوہ گو نے عُمری، عُمری، بھیگی بلی، بدھو اور صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق یہ خولہ ہے خولہ بنت ثعلبہ کا جو تذکرہ کیا ہے اور گندے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اکابرینِ دیوبند پر پہلے دن سے یہ الزام لگا آرہا ہے کہ ان حضرات کی زُبانیں، ان کے قلم، ان کے انداز گفتگو میں عظمت کا پہلو موجود نہیں ہوتا۔ یہ لوگ سوقیانہ، عامیانہ، بے حیائی کے انداز سے گفتگو کرنے کے عادی ہیں۔ کیا مولانا طارق جمیل اس الزام کو حقیقت میں نہیں بدل رہے۔ اگر آپ اکابرین دیوبند کی صفائی سے فارغ ہو گئے ہیں تو اس کی صفائی دینا شروع کب کرو گے۔

یہ سراپا رنج والیہ۔ آپ سے توقع رکھ بیٹھا ہے کہ بزرگانِ مرکز تمام باتوں سے آگاہ ہیں' غلط بات سے آگاہ ہو کر چُپ رہنے والا گُونگا شیطان ہوتا ہے۔ اگر آگاہ ہیں تو اس کے رؤسا سے میل ملاپ سے خائف ہیں یا پھر اُس کے جُرم میں شریک ہیں کہ رؤسا کے چیک اراضی کی خریداری میں تمہارا حصّہ شامل ہوتا ہے۔

اس بارے میں وضاحت کرنا اکابرینِ رائیونڈ پر فرض ہے ورنہ حدیث شریف کے مُطابِق جہنّم کی آگ کی لگام مُنہ میں ڈلوانے کے لئے تیار رہیں۔

تمت بالخیر

مولانا طارق جمیل کی ناصحانہ آرزو کی تکمیل

باسمہ تعالٰی و تقدس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مولانا طارق جمیل صاحب آپ کی صدا پر بندہ ناچیز حاضر ہے۔

ادارہ نشریات اسلامیہ مرکزی جامع مسجد روڈ نزد پرانا جی ٹی ایس اڈا منڈی بہاؤالدین سے ہمیں مولانا طارق جمیل مرکزی مبلغ تبلیغی جماعت آف تلمبہ ضلع خانیوال کا ایک کیسٹ ملا جس میں مولانا طارق جمیل نے دیگر بہت ساری باتوں کے علاوہ ایک آرزو بھی ظاہر فرمائی ہے کہ ”تبلیغی جماعت والوں کے پاس ایک کتاب ہوتی ہے وہ پڑھو اس میں کوئی ایسی بات ہو تو اُنکو پکڑو۔“ پھر انتہائی کرب کی حالت میں کہا۔لیکن یہ کیا اندھا دھند بس ٹھیک ہے' ٹھیک ٹھیک، نکلو، نکلو، نکلو۔

(پنڈی بھٹیاں ضلع حافظ آباد میں خطاب)

اس سے قبل تبلیغی جماعت کے کسی رکن یا مبلغ کا ایسا مطالبہ فقیر کے سامنے نہیں آیا۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ مولانا کی خواہش ہے کہ ان کی کتاب میں کوئی ایسی بات نظر آئے تو ان کو پکڑو اس سے قبل تو تبلیغی جماعت کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ اپنی ہی سناتے تھے اور ان کی خدمت میں علماء دیوبندی کی کوئی بات عرض کی جاتی یا ان کی احادیث طیبہ میں بددیانتی اور تبلیغی نصاب میں کی گئی خیانتوں کے بارے میں کچھ معروضات پیش کی جاتیں تو لاتعلقی اور بے رغبتی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے تھے کہ یہ علماء کی باتیں ہیں ہم تو صرف سیکھنے کے لیے آئے ہیں۔

پھر دبے لفظوں میں آہستہ سی آواز میں سکھانے کے لیے کہہ دیتے ۔اب مولانا طارق جمیل خود فرماتے ہیں کہ ان کی کتاب میں کوئی ایسی بات نظر آئے تو ان کو پکڑو' لہٰذا یہ حضرات اپنے ساتھ لائی ہوئی کتاب کے مندرجات کے ذمہ دار ہیں' اگر اس کتاب کی غلط عبارات کا جواب نہ دیں تو دیگر وجوہ کے علاوہ اس بناء پر بھی اہلسنت و

جماعت کی مساجد میں رہنے کے ہرگز ہرگز حقدار نہیں ہیں' کیونکہ یہ مولانا طارق جمیل صاحب کا اپنا ارشاد ہے کوئی ایسی بات نظر آئے تو ان کو پکڑو' لیکن یہ کیا اندھا دھند بس ٹھیک ہے' ٹھیک ٹھیک' نکلو' نکلو' نکلو۔ (پنڈی بھٹیاں میں خطاب)

اس کے بعد مولانا نے گالی دیتے ہوئے فرمایا جاؤ تہاڈے بیڑے بڑھ جاون۔ ہم گالی کا جواب تو نہیں دیں گے لیکن مولانا طارق جمیل کی دلی خواہش پر تبلیغی نصاب کا مرحلہ وار جائزہ ضرور پیش کریں گے۔

طارق جمیل کی ناصحانہ آرزو کی تکمیل حاضر خدمت ہے۔اس کے بعد (مولانا طارق جمیل کا غیر فطرتی سوال) کا جواب آئے گا' تکمیل کی دعا کرتے رہنا' پھر ان کی کتابوں کے مطالعہ کا تازہ بہ تازہ سلسلہ جاری رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

غرض فقیر اگر بلاوجہ ان کی کتاب پر تبصرہ کرتا تو اشتعال کا پہلو نکل سکتا تھا لیکن مولانا طارق جمیل کی دعوت پر تبصرہ کرنا فقیر کا فرض منصبی ہے جو ادا کرنا فقیر کی انتہائی سعادت مندی بھی ہے اور علماء ومشائخ وعوام اہلسنت و جماعت کی روح کی تسکین بھی۔

ابوحمزہ مظہری ۱۵ شوال المعظم ۱۴۲۴ھ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

فقیر کے سامنے ایک کتاب ہے جس کا نام ہے

تبلیغی نصاب مکمل

مصنف کا نام یوں درج ہے:

حضرت مولانا الحافظ الحاج المحدث محمد زکریا صاحب مدظلہ شیخ الحدیث مدرسہ

مظاہر العلوم یہ ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور کی مطبوعہ ہے۔ اس میں مولانا زکریا کے نام کے ساتھ مدظلہ درج ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا سایہ لمبا ہو، زندہ سلامت رہیں، الغرض یہ مولانا زکریا کی زندگی کا مطبوعہ نسخہ ہے۔

فقیر کے سامنے ایک اور کتاب پڑی ہے جس کا نام ہے۔

فضائل اعمال:

مصنف کا نام یوں درج ہے:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ

ناشر خواجہ محمد اسلام اردو بازار لاہور

اس کتاب کے سرورق کے بعد مولانا زکریا کا مکتوب بھی دیا گیا ہے جس میں مولانا نے خواجہ محمد اسلام کو ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ میں اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ الغرض دونوں کتابیں ایک ہی مصنف کی ہیں، ایک ان کی زندگی کی مطبوعہ ہے اور دوسری ان کے مرنے کے بعد شائع ہوئی۔ ان دونوں کتابوں کے ابواب حسب ترتیب یوں ہیں۔

۱۔	فضائل تبلیغ	۱۔	حکایات صحابہؓ
۲۔	فضائل نماز	۲۔	فضائل نماز
۳۔	فضائل قرآن	۳۔	فضائل تبلیغ
۴۔	فضائل ذکر	۴۔	فضائل ذکر
۵۔	فضائل رمضان	۵۔	فضائل قرآن
۶۔	فضائل درود شریف	۶۔	فضائل رمضان
۷۔	حکایات صحابہؓ	۷۔	مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج
۸۔	مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج		

آپ بغور ملاحظہ فرمائیں کتاب ایک ہے مصنف ایک ہے نام دو کیوں ہیں؟ اور ایک کتاب آٹھ رسالوں پر مشتمل ہے اور دوسری سات رسائل پر اس کی وجہ کیا ہے؟

ایک کتاب کی ترتیب یوں ہے۔

۱۔ فضائل تبلیغ
۲۔ فضائل نماز
۳۔ فضائل رمضان
۴۔ فضائل ذکر
۵۔ فضائل قرآن
۶۔ فضائل درود شریف
۷۔ حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم
۸۔ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج

دوسری کتاب کی ترتیب یوں ہے:

۱۔ حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم
۲۔ فضائل نماز
۳۔ فضائل تبلیغ
۴۔ فضائل ذکر
۵۔ فضائل قرآن مجید
۶۔ فضائل رمضان
۷۔ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج۔

ناظرین اصل بات سمجھ گئے ہوں گے کہ تبلیغی نصاب کے نام سے چھپنے والی

کتاب میں فضائل درود شریف والا رسالہ موجود ہے جبکہ فضائل اعمال کے نام سے چھپنے والی کتاب میں فضائل درود شریف والا حصہ موجود نہیں ہے۔

عذرِ لنگ ۱۔

فقیر سراپا تقصیر نے اپنے علم کے اضافہ کے لئے مختلف حضرات سے بالخصوص ان حضرات سے جو حاضر سروس چلہ کش تھے اور ایک عرصہ سے چل رہے تھے دریافت کیا' انہوں نے جواب دیا کہ کتاب بھاری ہو جاتی تھی اس لئے رسالہ فضائل درود شریف نکال دیا گیا ہے۔ فقیر نے تبلیغی نصاب کا وزن کیا جو فضائل درود شریف سمیت آٹھ سو تیس گرام (۸۳۰ گرام) نصف جس کا چار سو پندرہ گرام (۴۱۵ گرام) ہوتا ہے نکلا' پھر درود شریف کے بغیر چھپنے والی کتاب فضائل اعمال کا وزن کیا تو کل وزن سات سو گرام (۷۰۰ گرام) تھا جس کا مطلب ہے کہ فضائل درود شریف والی کتاب کا وزن ایک سو تیس گرام (۱۳۰ گرام) زیادہ تھا۔ بستروں، لوٹوں، چولہوں کا وزن اٹھا کر اور اہل و عیال کو خستہ حالی میں چھوڑ کر گشت کرنے والے تبلیغی جماعت کے نازک تر مسلمانوں کو فضائل درود شریف کا صرف ایک سو تیس گرام (۱۳۰ گرام) بوجھ اٹھانا برداشت نہ تھا' جاؤ تہاڈے بیڑے بڑ جاون (بقول مولوی طارق جمیل پنڈی بھٹیاں میں خطاب) ۱۳۰ گرام سے بھی قیامت کی ساعتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا کہ یہ وزن ہلکا ہو گا تو محشر کی سختی سے چھوٹیں گے' لاحول ولا قوۃ الا باللہ

عذرِ لنگ ۲

فقیر نے کچھ اور طواف القری تبلیغی جماعت کے اہلکاروں سے دریافت کیا کہ فضائل درود شریف تو نکال دیا تو کتاب کا نام بدل کر فضائل اعمال کیوں رکھا؟ جس پر

(فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ) کا نقشہ دکھائی دیا کہ حضرت نے چپ کا روزہ رکھ لیا۔

عذرِ لنگ ۳

ایک صاحب فرمانے لگے درود شریف الگ شائع کیا گیا ہے فقیر نے کہا کہ الگ بھی شائع کرنا اچھا ہے مگر کتاب میں موجود رہنا بھی ضروری ہے' کتاب میں موجود بھی رہتا اور الگ بھی چھپ جاتا جیسا کہ قرآن عزیز کی مختلف سورتیں الگ بھی چھپتی ہیں اور قرآن مجید میں بھی موجود رہتی ہیں کیا ایسا کبھی ہوا ہے کہ قرآن مجید کے کسی نسخہ میں سورۃ یٰسین شریف نہ ہو کیونکہ یہ الگ چھپی ہوئی ہے' ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

عذرِ لنگ ۴

اصل کتاب کی ترتیب کیوں بدلی ہے؟

اس کا کسی صاحب نے جواب نہیں دیا۔

عذرِ لنگ ۵

ایک صاحب نے فرمایا کہ فضائل اعمال الگ کتاب ہے اور تبلیغی نصاب الگ کتاب ہے۔ فقیر نے کہا کہ فضائل اعمال میں جو کچھ ہے وہ حرف بحرف تبلیغی نصاب میں موجود ہے تو الگ کتاب کیسے ہو گی؟ ہاں فضائل درود شریف نکال دینے سے الگ کتاب ہو گئی ہو تو یہ تمہاری صوابدید ہے ورنہ عقل و درایت کی دنیا میں یہ الگ کتاب نہیں رہتی۔

عذرِ لنگ ۶

فقیر نے ایک طویل الحلیہ دراز لحیہ شفاف استرا والی جماعت سے عرض کیا کہ حضرات کتاب میں درود شریف کے فضائل شامل کرنا تو محبت کی علامت ہے تم یہ بتاؤ

کہ کتاب سے نکالنا بھی محبت کی علامت ہے یا کہ بغض کی پہچان ہے۔ اس جماعت میں کافی سارے حضرات بقول حضرت سعدی علیہ الرحمۃ وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیز گار کا مصداق نظر آتے تھے چونکہ وہ پیرانہ عمری کا شکار تھے روشن ضمیری، روشن خیالی سے بے نیاز تھے وہ کہنے لگے کہ جنہوں نے فضائل درود شریف شامل کیا تھا انہوں نے غلط کیا تھا فقیر اور دیگر حاضرین یہ سن کر ششدرہ رہ گئے کہ یہ اتنی طویل داڑھیوں اور تازہ استرہ کشیدہ سروں والے اتنے لوگوں کی موجودگی میں ان کی تصدیق پر خاموش بیٹھے ہیں۔ میں نے چونکتے ہوئے دوبارہ دریافت کیا کہ فضائل درود شریف شامل کرنے والوں نے غلط کیا ہے یا نکالنے والوں نے تو انہوں نے بے شرمی و بے حیائی کے کوہِ الوند سے کودتے ہوئے کہا وہ جنہوں نے فضائل درود شریف کو شامل کیا ہے انہوں نے غلط کیا ہے۔ اس پر تمام اہل بصیرت حضرات نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ کر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور حدیث شریف الخوارج کلاب اہل النار ابن ماجہ ص ۱۲ کے مصداق کی طرف متوجہ ہو گئے۔

مولانا طارق جمیل کا ہم سے مطالبہ ہے کہ ان تبلیغ والوں کے پاس ایک کتاب ہوتی ہے اسے پڑھو اب مولانا طارق جمیل کا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ فضائل درود شریف نکالنے والوں اور مرکز میں بیٹھے جماعتوں کو کتاب دے کر روانہ کرنے والوں سے پوچھ کر ہمیں بتائیں۔

نمبر۱۔ کیا فضائل درود شریف کا حصہ نکالنا رسول اللہ ﷺ سے بغض کا پتہ نہیں دے رہا؟

نمبر۲۔ کیا کتاب کا نام تبدیل کرنا کسی اندرون خانہ گہری اور گندی سوچ کی نشاندہی نہیں کر رہا؟

نمبر۳۔ کیا کسی کتاب کے مصنف کے مرنے کے بعد دوسرے لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کتاب میں من پسند تبدیلی کر لیں اور اس کا نام تبدیل کر لیں؟

نمبر۴۔ کیا کسی کتاب کے حصوں کو آگے پیچھے کرنا اخلاقی لحاظ سے درست ہے؟

نمبر۵۔ جو شخص یہ کتاب ہاتھ میں لئے لوگوں کو سناتا پھرے اور لوگوں کو پڑھنے کی ترغیب بھی دے کیا اس سے سوال کرنا کوئی فضول بات ہے؟ اور اس کا وضاحت نہ کرنا فطرت انسانی کے مطابق درست ہے؟

تبلیغی نصاب اور بغضِ نبوی ﷺ

مولانا طارق جمیل کی فرمائش کی تکمیل میں عرض ہے کہ پرانا تبلیغی نصاب، موجودہ فضائل اعمال کا ایک حصہ ہے۔ حکایات صحابہ میں بیر معونہ کی لڑائی کے عنوان سے اصحاب رسول ﷺ کی شہادت کا تذکرہ کیا گیا ہے، بیر معونہ کو نجدی حضرات اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کے مطالبہ پر حضور اکرم ﷺ نے ستر قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا، نجدیوں نے انہیں شہید کر دیا، جس کا حضور اکرم ﷺ کو سخت صدمہ ہوا تو ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھتے رہے، اور نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ اگر حضور اکرم ﷺ کو غیبی اُمور کا علم ہوتا تو آپ انہیں نہ بھیجتے۔

یہ واقعہ بہت سے دیوبندیوں نے نقل کیا ہے اور یہ استدلال بھی پیش کیا ہے، میں قصداً اس کا حوالہ نہیں دے رہا تا کہ ناظرین ذرا اپنے ذہن پر بھی زور دیں تو ان کوئی مولویوں کی تقریریں یاد آ جائیں گی جن میں انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جب نجد کا ایک باشندہ ابو براء عامر بن مالک نجدی آیا تھا اور اس نے اپنی پناہ دیتے ہوئے قراء اپنے ساتھ لے جانے کا تقاضا کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔

اِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْھِمْ اَھْلُ نَجْدٍ:

یقیناً مجھے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں نجدیوں کا خوف ہے۔

(تفسیر مظہری صد ۳۷۱/ ج ۲' تاریخ ابن کثیر ص ۷۵/ ج ۴' تفسیر خازن ص ۳۱۸/ ج ۱)

اس حدیث شریف میں اِنَّ کے ساتھ تاکید بیان کی گئی ہے کہ یہ بات یقینی ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے' یہ پختہ بات ہے' اس بارہ میں کوئی شک نہ کرنا یہ بات اسی طرح ہی ہے لفظ اِنَّ ان تمام مفہومات کو بیان کر رہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بات پکی ہے حدیث کے لفظ اَخْشٰی کا معنی ہے میں خوف کھاتا ہوں میں ڈرتا ہوں قرآن عزیز میں ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (پارہ ۲۲، سورہ فاطر، آیت ۲۸)

اس کا ترجمہ جناب علامہ شبیر عثمانی یوں کرتے ہیں اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے اسی طرح سورہ فاطر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ تُو تو ڈر سناتا ہے ان کو جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے (پارہ ۲۲، سورہ فاطر ۱۸) ترجمہ جناب شبیر احمد عثمانی۔

اسی طرح دیگر مقامات پر بھی مشہور دیوبندی عالم شبیر احمد عثمانی نے خشیت کا معنی ڈر کیا ہے اس حقیقت کے بعد مولانا طارق جمیل کے ارشاد پر مولانا زکریا کاں دھلوی کی کتاب (سابقہ نام) تبلیغی نصاب اور موجودہ نام فضائل اعمال کا حصہ حکایات صحابہ علیہم الرضوان میں بیر معونہ کی لڑائی ملاحظہ فرمائیں۔

بئر معونہ کی لڑائی:

بیر معونہ کی ایک مشہور لڑائی ہے' جس میں ستر صحابہ علیہم الرضوان کی ایک بڑی جماعت پوری کی پوری شہید ہوئی جن کو قُرّاء کہتے ہیں اس لیے کہ سب حضرات قرآن

مجید کے حافظ تھے اور سوائے چند مہاجرین کے اکثر انصار تھے۔ حضور ﷺ کو ان کے ساتھ بڑی محبت تھی کیوں کہ یہ حضرات رات کا اکثر حصہ ذکر و تلاوت میں گزارتے تھے۔ اس مقبول جماعت کو نجد کا رہنے والا قوم بنی عامر کا ایک شخص جس کا نام عامر بن مالک اور کنیت ابو براء تھی اپنے ساتھ اپنی پناہ میں تبلیغ اور وعظ کے نام سے لے کر گیا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد بھی فرمایا تھا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اصحاب کو مضرت نہ پہنچے مگر اس شخص نے بہت زیادہ اطمینان دلایا۔ آپ ﷺ نے ان ستر صحابہ کو ہمراہ کر دیا اور ایک والا نامہ عامر بن طفیل کے نام جو بنی عامر کا رئیس تھا تحریر فرمایا جس میں اسلام کی دعوت تھی۔ (حکایات صحابہ، ص ۷۹ بقدر ضرورت)

اس میں مولانا زکریا سہارنپوری نے ذکر فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد بھی فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اصحاب کو مضرت نہ پہنچے انی اخشی کا ترجمہ مولانا زکریا نے مجھے اندیشہ ہے کیا ہے' جب کہ اندیشہ مصدر ہے اندیشیدن بمعنی فکر کرنا سوچنا جو کہ شک کی صورت میں ہوتا ہے۔ مولانا سہارنپوری اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی یقینی بات کو شک کی صورت میں ڈھال رہے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میرے اصحاب کو مضرت نہ پہنچے' مذکورہ جملہ قضیہ شکیہ' جب کہ حدیث شریف میں شک کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ وہ اِنَّ کے ساتھ کلام موکد ہے جو یقین کی صورت میں ہوتا ہے۔ دیگر علماء دیوبند تو سرے سے اس بات کا ذکر ہی نہیں کرتے' مولانا زکریا نے ذکر تو کیا ہے مگر روایتی بددیانتی کا مظاہرہ بھی فرما دیا ہے۔ اگر خشیت کا معنی اندیشہ کیا جائے تو سورۃ فاطر میں مذکور ارشاد باری تعالیٰ ہے

یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ (سورہ فاطر، آیت ۱۸) کے معنی ہوں گے کہ وہ بن دیکھے اپنے رب کا اندیشہ کرتے ہیں اور اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا

(پارہ ۲۲، سورہ فاطر، آیت ۲۸) کے معنی ہوں گے یقیناً اللہ کا اندیشہ کرتے ہیں اس کے بندوں میں سے وہی جو علم والے ہیں جبکہ یہ دونوں ترجمے بداھۃً غلط ہیں۔

مولانا طارق جمیل کی فرمائش کی مزید تعمیل:

انہوں نے تبلیغی نصاب پڑھنے کی تلقین کی تو فقیر نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر پڑھا، مسلم شریف کے باب فضائل ابی ذر میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ درج ہے، اس میں ص ۲۹۶ ج ۲ پر درج ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳۰) دن تک مسجد حرام میں رہے، آپ صرف آب زم زم نوش فرماتے رہے جس سے یہ خوب موٹے تازے ہو گئے، پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں باریابی کا شرف پایا۔ اس کے ساتھ ہی ص ۲۹۷ ج ۲ پر یہ روایت درج ہے کہ تین دن تک حرم شریف میں ٹھہرے اور ہر رات کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانا کھلاتے رہے مگر بات چیت نہ ہوتی۔ مولانا زکریا سہارنپوری کے ہاتھ کی صفائی دیکھو کہ جس حدیث میں ایک عظیم صحابی کی عظمت زیادہ اجاگر ہے اور وہ ہے بھی پہلے، اس کا ذکر نہیں کیا اس کے بعد والی تین دن والی حدیث شریف ذکر کر دی، کیا مولانا زکریا کاندھلوی اپنے پیروکار تبلیغیوں کو یہ تاثر دینا چاہتے ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو چند دن (اس واقعہ میں تین دن) تک تکلیف میں رہتے تم تو ماشاءاللہ سبحان اللہ دارے اللہ کے ولیو چلے پر چلے لگائے جارہے ہو۔ تمہاری قربانیاں اصحابِ رسول ﷺ سے بڑھ کر ہیں۔

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا

مولانا طارق جمیل کی فرمائش کی مزید تعمیل:

مولانا زکریا سہارنپوری کاندھلوی کی کتاب تبلیغی نصاب حصہ دوم فقیر کے

سامنے پڑی ہے، پرانی کتاب کا نام تبلیغی نصاب حصہ دوم ہے اور جدید مطبوعہ کتاب کا نام فضائل صدقات ہے، پرانی کتاب کے ص ۲۵۸ حصہ اول پر ایک واقعہ درج ہے جس پر ایک صاحب کا تفصیلی نوٹ دارالعلوم محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف ضلع منڈی بہاؤالدین کے مرحوم ماہنامہ حافظ الحدیث کی جلد ا شمارہ نمبر ۷ میں جولائی ۲۰۰۱ء کو شائع ہوا تھا جسے مرحوم ماہنامہ کے شکریہ کے ساتھ بعینہ نقل کر رہے ہیں۔

ھُوَ ھٰذَا اَشَدُّ الْمَسَاکِیْنِ کی حدیث شریف میں دلیرانہ چال:

ویسے تو ہر جماعت ہر گروہ فرقے بلکہ ہر فرد کی الگ الگ خصوصیات ہوتی ہیں جن کی بناء پر باہم امتیاز پیدا ہوتا ہے مگر کچھ افراد یا گروہ اپنی امتیازی خصوصیات کی بناء پر بہت ہی نمایاں ہو جاتے ہیں اور وہ خصوصیات ان کا لازمہ بن جاتی ہیں جیسا کہ پاکستان بھر میں بلکہ برصغیر اور بیرونی ممالک میں دین کے نام کا ہوکا دینے والی منفرد شان اور جداگانہ کردار کی حامل تبلیغی جماعت کا نمایاں وصف اور جداگانہ خصوصیت وہ ان کی نرم روی اور نرم کلامی اور ظاہری خیر خواہی کا جذبہ ہے مثلاً ایک شخص اپنے آپ کو اگر واقعۃً جماعت کے گشت کے لیے وقف کر دے تو جماعت کے دیگر مخلصین اسے معاشی فکر سے آزاد کر دیتے ہیں، یہ ہمارے مشاہدے کی بات ہے، حتیٰ کہ بعض لوگوں سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ ان کے پاس ایسا منتر ہے کہ جو شخص ایک چلہ لگا لے وہ چاہے کتنا ہی کرخت کیوں نہ ہو وہ نرم ہو جاتا ہے جیسے شبیہ ذوالجناح کو تعزیہ داری کے دوران ٹھنڈا کر لیا جاتا ہے اور ان کے مخالفین اسی خوبی کی بناء پر طعنہ زنی کے انداز میں انہیں گربۂ مسکین کا لقب دیتے ہیں۔ مجاہد ملت علامہ عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خطابات میں اسی لفظ سے ان کو یاد فرمایا کرتے تھے اور اس پر پر لطف مسکراہٹ بکھیرتے

ہوئے جلسہ گاہ کو کشت زعفران بنادیا کرتے تھے' بہر حال ان کی مسکینہ حالت اور مسکینی چال ہر ایک کے سامنے ہے بلکہ دیگر مساکین کے ساتھ ان دین کے کام میں چست مسکینوں کا مقابلہ کیا جائے تو انہیں۔

اَشَدُّ الْمَسَاکِیْنِ نا بالکل بجا ہوگا۔ سب کچھ یا بہت کچھ ہوتے ہوئے مسکین بن کے رہنا بہت بڑی خوبی اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جسے نصیب ہو۔

بعض مسکین کبھی کبھی ایسا کام بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ عقلمند اور حلیم آدمی کا سر چکرا کر رہ جاتا ہے۔ ایسی ہی صورت حال میں راقم الحروف بھی گرفتار ہے۔ یہ میرے سامنے فضائل صدقات نامی کتاب ہے جس کا ٹائٹل یوں ہے۔ تبلیغی نصاب حصہ دوم جس میں فضائل صدقات دونوں حصے اور فضائل حج کو یکجا مجلد کیا گیا ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہ ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین نئی دہلی نمبر ۱۳۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فضائل صدقات کتاب شروع میں تبلیغی نصاب کا حصہ تھی بعد میں الگ کر دی گئی اور فضائل صدقات کا نام دے دیا گیا اور مصنف کے نام کے ساتھ دامت برکاتہ کے تعریفی کلمات بتاتے ہیں کہ حضرت کے دور میں یہ کتاب چھپی تھی نام کے ساتھ شیخ الحدیث بھی لکھا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ کوئی عام رائٹر یا مصنف نہیں ہے بلکہ حدیث شریف پڑھانے والے کے قلم کی یہ کاوش پیش دست ہے تبلیغی نصاب جا بجا اس کا اظہار بھی ہوا ہے کہ مصنف حدیث شریف کے استاذ ہیں' حدیث شریف پڑھانے والے سے صحاح ستہ کی کوئی حدیث اوجھل نہیں رہ سکتی بالخصوص فضائل اعمال کے مصنف ایسے شیخ الحدیث سے نسائی شریف اور ابوداؤد شریف کی کوئی حدیث اوجھل رہے علم حدیث کے خدام میں ایسا شخص اس منصب فاضلہ کے لائق نہیں ہے اور بالخصوص ایک حدیث جس پر فقہ حنفیہ کے ایک اہم ترین مسئلہ کہ عورتوں کے زیورات پر زکوٰۃ فرض

ہے؟ کی بنیاد ہو کسی حنفی شیخ الحدیث سے تو کیا درمیانے درجے کے مدرس سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ آمدم برسرِ مطلب اس تمہیدی گفتگو کے بعد عرض ہے کہ صحاح ستہ کی دو اہم کتابوں نسائی شریف اور ابوداؤد شریف میں حدیث ہے۔

اَنَّ امْرَأَۃً اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَعَھَا ابْنَۃٌ لَّھَا وَ فِیْ یَدِ ابْنَتِھَا مَسْکَتَانِ عَظِیْمَتَانِ مِنْ ذَھَبٍ فَقَالَ اَتُعْطِیْنَ زَکٰوۃَ ھٰذَا قَالَتْ لَا قَالَ اَیَسُرُّکِ اَنْ یُّسَوِّرَکِ اللّٰہُ بِھِمَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ سِوَارَیْنِ مِنْ نَّارٍ قَالَ فَخَلَعَتْھُمَا فَاَلْقَتْھُمَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ قَالَتْ ھُمَا لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(ابوداؤد شریف، کتاب الزکوٰۃ باب الکنز ما ھو و زکوٰۃ الحلی ص ۲۲۵ جلد ۱۔ نسائی شریف ص ۲۴۳ جلد ۱، مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ، دوسری فصل)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں (یمن) کی ایک صحابیہ حاضر ہوئی' ان کے ساتھ ان کی صاحبزادی بھی تھیں' جن کے ہاتھ میں سونے کے دو بھاری کنگن تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس صاحبزادی سے فرمایا کہ کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ ان کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے دو کنگن پہنائے قیامت کے دن۔ اس پر اس صاحبزادی نے دونوں کنگن بارگاہ نبوی میں پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے واسطے دیتی ہوں۔

فضائل اعمال مطبوعہ دہلی درحیات مصنف (شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی دامت برکاتہ نے ان آخری الفاظ مبارکہ ھُمَا لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ ﷺ کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ اللہ کے واسطے دیتی ہوں۔

(تبلیغی نصاب قدیمی ص ۲۵۸ جلد ۲ مطبوعہ دہلی ص ۳۱۸ (مطبوعہ کراچی ص

اس ترجمہ میں وَلِرَسُوْلِہٖ کا ذکر نہیں کیا۔ آگے ترغیب کا حوالہ درج کیا ہے۔
تبلیغی نصاب اور فضائل اعمال میں نسائی شریف اور ابوداؤد شریف کے سینکڑوں حوالہ جات درج ہیں' یہ حدیث جب ان کتابوں کی ہے تو حوالہ انہیں کا چاہیے تھا' ترغیب کا حوالہ دینا جبکہ انہیں کتابوں سے حدیث لی گئی ہے' چھٹی حس کو تحریک دیتا ہے۔ ہمارے ایک بزرگ ایک بار حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب زید مجدہ فیصل آباد کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے ترغیب نکال کر دکھائی' جس میں ھما للہ ولرسولہٖ کے الفاظ تھے نہ کہ صرف ھما للہ کے۔ فقیر کے پاس ترغیب موجود ہے' اس میں بھی ولرسولہٖ ﷺ کے الفاظ ہیں' جس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کسی الجھن میں گرفتار ہیں جس کی بناء پر ترجمہ کرتے وقت ولرسولہٖ ﷺ کا ذکر کرنا ان کو گوارا نہیں ہوا' جو کہ ان کی مسکینی حالت کی آئینہ دار ہے۔ وہ الجھن یہی ہے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے' اس میں رسول اللہ ﷺ کا نام آ گیا۔ لہٰذا جہاں غیر اللہ کا نام آ جائے تو وہ چیز ناجائز اور حرام ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث شریف اس مذکورہ نظریہ کی نفی کر رہی ہے۔ اس کو دور کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ یا تو اپنا غلط نظریہ تبدیل کر کے حدیث صحیح کے مطابق کر لیں' یا حدیث کو بدل کر اپنے ذہن کے مطابق کر لیں' تو تبلیغی نصاب کے مصنف جو کہ منصب شیخ الحدیث پر فائز ہیں' انہوں نے دوسرا طریقہ بہتر جانا کہ صحاح ستہ کی حدیث شریف میں تھوڑی بہت تبدیلی کر لو تا کہ اپنے نظریئے کے مطابق کر لیا جائے اس لئے ولرسولہٖ ﷺ کا ترجمہ کھا گئے اور حوالہ میں عام دستیاب اور زیادہ معتبر کتابوں ابوداؤد شریف اور نسائی شریف کی بجائے ترغیب لکھ دیا۔

راقم آثم نے جب کبھی یہ حوالہ مندرجہ ان اشد المساکین کے چلہ کشوں کو دکھایا اور وضاحت کی درخواست کی تو جواب یہ ہوتا ہم تو مسکین لوگ ہیں' یہ علماء سے

پوچھیں۔ ہم عرض کرتے کہ آپ مرکز رائے ونڈ سے آئے ہیں اور پھر واپس بھی جانا ہے تو ان سے پوچھ کر آگاہ کر دینا' فون نمبر حاضر ہے' جوابی لفافہ حاضر ہے' اگر ابھی پتہ کر کے آتے ہو تو گاڑی کا انتظام کر دیتے ہیں۔ جواب ہوتا ہم تو بس مسکین آدمی ہیں (مفہوماً)۔
گزشتہ دنوں ایک جماعت سے ملاقات ہوئی' ایک روڑے تبلیغیئے کو یہ بات عرض کی اور اس سے کتاب فضائل صدقات مانگی۔ جب اس نے کتاب دکھائی تو وہاں حدیث شریف کا آخری حصہ یوں درج تھا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کو دیتی ہوں (ترغیب)۔ فقیر اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب غور کیا تو کئی باتیں سامنے آ گئیں۔
نمبر ا۔ اور اس کے رسول کو دیتی ہوں (ترغیب) اتنی عبارت کی لکھائی مختلف تھی' باقی اول و آخر کاتب کا لکھا ہوا تھا' اور یہ کسی عام آدمی کا۔ نیز قلم بھی باریک تھا۔
نمبر ۲۔ دوسری بات یہ کھٹکی کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو نہیں دی جاتی ہے بلکہ اس کے مستحقین کو دی جاتی ہے' نہ ہی اللہ تعالیٰ زکوٰۃ کا مستحق ہے اور نہ ہی رسول ﷺ۔
نمبر ۳۔ پہلے صرف یہ عبارت تھی' یہ اللہ کے واسطے دیتی ہوں' تو اب (لرسولہٖ) کا ترجمہ شامل کریں تو عبارت یوں چاہیے تھی کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے واسطے دیتی ہوں۔ جب مصنف نے للہ کا ترجمہ یوں کیا ہے' یعنی اللہ کے واسطے دیتی ہوں تو ولرسولہٖ ﷺ کا بھی ترجمہ اس طرح چاہیے کہ اس کے رسول کے واسطے دیتی ہوں۔ راقم الحروف نے مرکز المساکین رائیونڈ سے کتب خانہ فیضی لاہور کے مطبوعہ دو نسخے منگوائے' دونوں میں مصنف کے نام ساتھ نور اللہ مرقدہ لکھا ہوا تھا' جس کا مطلب یہ کہ مصنف اگلے جہاں سدھار چکے ہیں۔ اس کے ص ۲۳۹ حصہ اول پر یہ حدیث شریف شروع ہوتی ہے اور ۲۴۰ کی پہلی سطر پر مکمل ہوتی ہے' مگر لطف یہ ہے کہ اس نسخہ پر بھی سن طباعت درج نہیں جو کہ بجائے خود محل نظر ہے (یعنی ٹیکس چوری کا مکروہ دھندا تا کہ تبلیغ میں برکت

دوبالا ہو) دوسرا لطف یہ ہے کہ ایک نسخے کے ص ۳۴۰ جلد اول کی پہلی سطر یوں ہے کہ یہ اللہ کے واسطے دیتی ہوں (ترغیب)۔ اور دوسرے نسخے کی پہلی سطر یوں ہے' یہ اللہ اور اس کے رسول کو دیتی ہوں (ترغیب) جب کہ پہلا نسخہ بھی غلط ہے اور دوسرا بھی۔ پہلے بات تھی کہ ممکن ہے کہ مصنف سے غلطی ہوگئی ہو (ولرسولہٖ) کا ترجمہ چھوٹ گیا ہو یا واقعتاً بددیانتی کے مرتکب ہوئے ہوں' اور اب تصحیح شدہ عبارت میں جو خیانت و بددیانتی اور بالفاظ دیگر یہودیت کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الحدیث کے لقب سے مشہور تبلیغی جماعت کے شیخ المساکین سرکردہ عالم نے (ولرسولہٖ) کا ترجمہ بھول کر نہیں چھوڑا بلکہ ارادہ اور قصد سے اسے ترک کیا ہے۔ اور تبلیغی جماعت کے موجودہ ذمہ داروں نے اصلاح کے نام سے تصحیح کرتے ہوئے ترجمہ غلط کیا تا کہ کسی نیک کام میں رسول اللہ ﷺ کا واسطہ شامل نہ ہو' تو یہ ان کی سراسر بددیانتی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر بہت بڑی جرأت ہے' دل کے کسی کونے میں خوف خدا اور شرم رسول ﷺ رکھنے والا کبھی بھی ایسی بے حیائی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ خوف خدا' شرم نبی ﷺ' یہ بھی نہیں' وہ بھی نہیں۔

فقیر تبلیغی جماعت کی اس کارستانی پر صرف یہی عرض کر سکتا ہے کہ یہ حرکت ان اشد المساکین کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر تازہ جرأت ہے اور دلیرانہ چال ہے اور مسلمانوں کی عبرت کی آنکھیں کھولنے کے لئے صادق و صافی سرمہ ہے' ان کے صلح کلیت آلود معدوں کی تلیین کے لیے مقبول عام سرکہ ہے۔

غرض مانصیحت بود و کردیم
حوالت باخدا کردیم و رفتیم

خیال تھا کہ صرف ایک ہی جرأت مندانہ واقعہ نقل کیا جاتا مگر ہمارے پاس آئے دن زبردستی

ڈیرہ جمانے والوں کی بعض باتیں مجبور کر رہی ہیں کہ مزید لکھا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ سلسلہ وار ایسی جرأتیں نمایاں کی جائیں گی' سر دست ایک جرأت مندی پیش خدمت ہے۔ تبلیغی جماعت کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے فضائل صدقات ص ۹۲/۹۳ میں یہ ایک حدیث شریف موطا امام مالک' ابوداؤد شریف اور نسائی شریف کے حوالہ سے لکھی ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَّاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ الْمَآءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَّقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ

(رواہ ابوداؤد والنسائی کذافی المشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقۃ، دوسری فصل)

ترجمہ: حضرت سعدؓ نے عرض کیا: یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ ان کے ایصال ثواب کیلئے کونسا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ پانی سب سے افضل ہے۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے ثواب کیلئے ایک کنواں کھدوا دیا۔

(فضائل صدقات مطبوعہ دہلی درحیات مصنف ص ۹۲/۹۳ حصہ اول' فضائل صدقات مطبوعہ کتب خانہ فیضی لاہور و مطبوعہ بعد از کوچ سوئے انجام خویش ص ۱۱۱ حصہ اول)

اس حدیث شریف اور ترجمہ کو بغور اور بار بار دیکھو کہ حدیث شریف کے الفاظ وقال هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ کا ترجمہ مجھے تو کہیں نظر نہیں آیا۔ اگر کسی صاحب کو نظر آ جائے تو مطلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں' لیکن مصنف کے درج کردہ ترجمہ میں ان الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے اور نہ کوئی دکھا سکتا ہے۔ اس حقیقت کے بعد مجھے یہ بھی دریافت کرنے کا حق ملنا چاہیے کہ مولانا محض ایک مولوی ہی نہیں بلکہ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں' حدیث شریف کے تقدس کو خوب جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ جو شخص زندگی میں ایک بار بھی جھوٹا ثابت ہو جائے تو وہ مردود ہو جاتا ہے' وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ جو شخص

اپنے گھوڑے کو پکڑنے کیلئے محض حیلہ جوئی کے پیش نظر دامن کو اس طرح پھیلائے کہ گھوڑا قابو آ جائے تو محدثین نے ایسے شخص کی حدیث سننا بھی گوارہ نہیں کی' اور دور دراز کا پیدل اور تکلیف دہ سفر کرنے کے باوجود ملاقات تک کرنا دینی حمیت اور حدیث مصطفےٰ ﷺ کی عظمت کے خلاف جانا' تو وہ شیخ الحدیث جو کبھی حدیث شریف سے رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی مٹا رہے ہیں' جب کہ انہیں معلوم ہونا چاہیے۔

؎ مٹ گئے ہیں' مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے' نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

اور کبھی حدیث شریف کی عربی عبارت مکمل ذکر کرنے کے باوجود حدیث شریف کا آخری حصہ ہضم کر جاتے ہیں' کیا یہی دین ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے بنیاد رکھی تھی۔ ایسی بددیانتی اور حدیث شریف میں ایسی خیانت کرنا کیا یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعلیمات ہیں؟ کیا ایسے حضرات ہی پاکانِ امت ہیں جن کا یہ طریقہ رہا ہے۔ کیا اسلاف کرام نے حدیث شریف میں ایسی حرکتیں کی ہیں۔

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ' ایسا ہرگز ہرگز نہیں کیا۔ ۱۳۶۶ھ سے لے کر آج ۱۴۲۰ھ تک لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والے فضائل صدقات میں حدیث شریف کے ساتھ ایسا ناروا اور بیہودہ یانہ سلوک کیا اس بات کی نشاندہی نہیں کر رہا کہ یہ لوگ کتاب اور سنت رسول ﷺ کا لبادہ تو ضرور اوڑھے ہوئے ہیں مگر دلی طور پر یہ کتاب اور حدیث پر مکمل طور پر یقین نہیں کرتے۔ قرآن پاک میں جو آیات بتوں اور مشرکوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں انہیں مومنوں پر چسپاں کرتے ہوئے قرآن عزیز کی دشمنی مول لیتے ہیں' اور احادیث طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی حذف کرتے ہوئے بغض مصطفےٰ ﷺ کا اظہار کرتے ہیں۔ اور حدیث کے بعض حصوں کا ترجمہ ہضم کرتے ہوئے حدیث دشمنی کا

بدترین مظاہرہ کرتے ہیں اور پاکانِ امت کا لقب پاتے ہیں۔

مسلمانو! ان کے ظاہری لبادے کی طرف نہ جاؤ' حقیقت حال کا ادراک کرو۔ سنیو! مسکین صورتیں دیکھ کر اعتماد نہ کرو' سیرتیں بھی پرکھو۔ اہلسنّت کے پیشواؤ! ان حدیث دشمنوں سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے میدان عمل میں کارگر مظاہرہ دکھاؤ۔ اے سنی مساجد کی انتظامیہ! تم مساجد اہلسنت کے ذمہ دار متولی اور انتظامیہ ہونے کے ناطے اہلسنّت و جماعت کے تحفظ کے ذمہ دار ہو' ان کی بھلا مانس شکلیں دیکھ کر ان کو مساجد میں ٹھہراتے ہوئے اہلسنت کو ان کے دامِ تزویر کا شکار ہونے کا موقع دیتے ہو' اپنی اس نازک ادا پر غور کرو۔ ورنہ اے سنیو! اے مسلمانو! اے اہلسنت کے پیشواؤ! اے اہلسنت کی مساجد کے متولیو اور خدمت گزارو' کل قیامت کے روز اگر حضور اکرم ﷺ نے پوچھ لیا کہ تم نے میری حدیث کے دشمنوں سے اور میرا نام مٹانے کی کوشش کرنے والوں سے میری امت کو بچانے کے لئے کیا کیا ہے؟ تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ آج سوچو سمجھو اور بروقت اپنی ذمہ داری کا احساس کرو' اللہ تعالیٰ اس ناچیز اور آپ تمام حضرات کا حامی و ناصر ہو اور رسول اللہ ﷺ کی رحمت ہر حال میں اس سیاہ کار اور آپ حضرات کے شامل حال رہے۔

آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین ﷺ

مولانا طارق جمیل کی دلی خواہش پر پھر سے لبیک:

مولانا طارق جمیل کی دلی آرزو ہے کہ ہم تبلیغی نصاب پڑھیں تو ہم نے ان کی آرزو پر لبیک کہا تو حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ نظر سے گزرا' اس عنوان پر نظر ڈالنے سے قبل ایک نفس الامری حقیقت کا جاننا ضروری ہے جسے ایک مثال دے کر عرض کرتا ہوں۔ شیرنی جب بچہ جنتی

ہے تو اس بچے کے اعضاء نمایاں نہیں ہوتے اور ایک مدت تک شیر کا بچہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتا' پھر ایک مدت گزرنے کے بعد وہ چلتا پھرتا ہے' بڑا ہوتا ہے تو جنگل کا بادشاہ کہلواتا ہے۔ جب وہ جنگل میں دھاڑتا ہے تو دھرتی کانپ جاتی ہے۔ دوسری طرف جب گدھی بچہ جنتی ہے تو وہ صحیح اعضاء والا ہوتا ہے اور آدھ پون گھنٹے کے بعد چلنے لگ جاتا ہے' اور ایک گھنٹے کے بعد دوڑنے لگ جاتا ہے' اسے دوست اور دشمن کی پہچان بھی ہو جاتی ہے' جب بھی اس کو پکڑنے کی کوشش کی جائے تو وہ بھاگ کر اپنی ماں کے پاس پہنچ جاتا ہے' جب کہ شیر کی کیفیت یہ نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص گدھی کے بچے کی اچھل کود دیکھ کر اسے شیر کے بچے پر فضیلت دے یا شیر کے بچے کے سامنے اسکو اہمیت دے تو یہ اس کی سراسر نادانی اور خرد ماغی ہے کیونکہ فطری طور پر جو کمالات شیر کے بچے میں ہیں وہ کھوتی کے بچے میں نہیں ہیں۔ بات استعداد کی ہے کہ شیر کی استعداد کے مقابلے میں کھوتی کے بچے کی اچھل کود کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

اسی طرح انسانی تخلیق کو دیکھو کہ انسانی فطرت کا حامل بچہ جب جنم لیتا ہے تو کئی ماہ تک بیٹھ نہیں سکتا' پھر کئی ماہ تک چل نہیں سکتا' کئی ماہ تک بول نہیں سکتا' صرف رونا جانتا ہے' دوسری طرف جب بکری بچے کو جنم دیتی ہے تو بہت جلد دوڑنے لگ جاتا ہے' ممیاتا ہے' بھاگ کر ماں کے پستانوں سے غذا حاصل کرتا نظر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص بکری کے بچے کا دوڑنا اور ممیانا دیکھ کر اسے انسان کے مقابلے میں ذکر کرے تو یہ اس کی حماقت ہوگی۔ ایک اور نفس الامری بات یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جب کسی عظیم انسان کا ذکر ہو تو وہ اس موقع پر اس کے مقابلے میں کسی معمولی شخص کا ذکر خلاف ادب ہے اور توہین کے زمرے میں آتا ہے۔ ایک شخص کسی والا شان شہزادے کا ذکر کر رہا ہو' دوسرا شخص اس کے

مقابلے میں کسی بادیہ نشین آجڑی کے بچے کا تذکرہ شروع کر دے تو کوئی عقل مند بھی اسے گوارا نہیں کرے گا۔ یہ بات بھی نفس الامری ہے کہ جب کسی شخص کی عظمت کا عنوان دیا گیا ہو تو اس کی فضیلت کی چیزوں کا بیان کرنا اخلاقی فرض ہوتا ہے' اور ایسے موقع پر ان کے کمالات بیان نہ کرنا قلبی عداوت' بغض وعناد اور بخیلی کی علامت ہوتا ہے۔

ان امور نفس الامریہ کے بعد حکایات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باب میں حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ ملاحظہ کرو۔ ان کی فضیلت میں وارد کسی حدیث کو مولانا زکریا نے بیان نہیں کیا' نہ اہل بیت کرام کی فضیلت میں نازل شدہ کسی آیت کو ذکر کیا ہے کہ یہ اہل بیت ہیں جن کے بارہ قرآن عزیز میں اعلان تطہیر ہو چکا ہے' نیز یہ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں' ان کی محبت' رسول خدا ﷺ کی محبت' اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ الغرض بے شمار احادیث میں ان کی فضیلت مذکور ہے جبکہ حضرت جی سہارنپوری کو کوئی بھی حدیث ذکر کرنے کی توفیق نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی یزیدی کو یہ توفیق ہو سکتی ہے۔ مولانا زکریا نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر سات برس اور کچھ ماہ تھی' ان سے تیرہ حدیثیں مروی ہیں' ان کے تذکرہ میں لکھا کہ سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جس میں کوئی علمی کمال حاصل کیا جا سکتا ہو' آگے چل کر پھر لکھا کہ سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے اس وقت اتنی احادیث (تیرہ) کا یاد رکھنا اور نقل کرنا حافظہ کا کمال ہے اور شوق کی انتہا (خصوصاً خاندان نبوت کے اکمل فرد کی جن کی مادری زبان بھی عربی ہے۔ جلالی) اس کے بعد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ کا تذکرہ بھی اسی سوقیانہ انداز میں کیا کہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے وقت ان

کی عمر چھ برس اور چند مہینے کی تھی۔ چھ برس کا بچہ کیا دین کی باتوں کو محفوظ کر سکتا ہے لیکن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روائتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں۔

(حکایات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ص ۱۵۹)

اس کے بعد مولانا کاندھلوی نے اپنے اباجی کا حال یوں بیان کیا کہ میں نے اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے بھی بارہا سنا اور اپنے گھر کی بوڑھیوں سے بھی سنا کہ میرے والد صاحب کا جب دودھ چھڑایا گیا تھا تو پاؤ پارہ حفظ ہو چکا تھا' اور ساتویں برس کی عمر میں قرآن شریف پورا حفظ ہو چکا تھا اور وہ اپنے والد یعنی میرے دادا صاحب سے مختصر فارسی کا بھی معتد بہ حصہ' بوستاں' سکندر نامہ' وغیرہ پڑھ چکے تھے۔ اس کے چند سطور بعد لکھتے ہیں' چھ ماہ تک روزانہ ایک کلام مجید پڑھنا اور پھر اس کے ساتھ دوسرے اسباق بھی پڑھتے رہنا اور وہ بھی سات برس کی عمر میں کوئی معمولی بات نہیں۔

(حکایات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص نمبر ۱۶۰)

ناظرین محترم مولوی زکریا کا دجل ملاحظہ کیا۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں اپنے باپ کو بھی شامل کر رہا ہے۔ کائنات کے شہزادوں میں کسی دوسرے کا ذکر یہ اس طرح ہے کہ کسی بادشاہ کے ذکر میں کسی بھنگی کی بات چھیڑ دی جائے۔ یہ حکایات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باب ہے' حکایات اباجی کا باب نہیں ہے۔ اس ظالم نے پہلے ورق سے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ ایک بات کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرتا ہے تو ساتھ ہی اپنے چچے تایا، ماموں اور خالو کو گھسیٹ دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔

اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ

(بخاری، مشکوۃ کتاب الآداب، باب الرفق والحیاء، پہلی فصل)

اِذَا فَاتَكَ الْحَيَاءُ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ

جب تجھے حیاء نہ رہے تو جو چاہے کر

بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں لکھا کہ سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جس میں کوئی علمی کمال حاصل کیا جا سکتا ہو لیکن اس کے باوجود حدیث کی کئی روائتیں (۱۳) ان سے نقل کی جاتی ہیں' جبکہ اپنے باپ کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ جب دودھ چھڑایا گیا (یعنی دو سال قمری کی عمر میں) تو پاؤ پارہ حفظ ہو چکا تھا۔ یہ پاؤ پارہ تیرہ حدیثوں سے دوگنا بنتا ہے۔ پھر لکھا کہ سات سال کی عمر میں مکمل حفظ اور فارسی کی بڑی کتابیں بوستان اور سکندر نامہ پڑھ چکے تھے۔ آگے لکھا کہ سات سال کی عمر میں ہر روز زبانی پورا قرآن پڑھنا اور دیگر اسباق بھی پڑھنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر شریف ہو تو اتنی عمر میں کوئی کمال علمی حاصل نہیں ہو سکتا اور ان کے اباجی کی داستان ہو تو سات سال کی عمر میں علمی کمال پر فائز ہو چکے تھے' یہ اسی طرح ہے جیسے شیر کے بچہ کے مقابلے میں گدھی کے بچے کو ترجیح دی جائے یا کسی شہزادہ کے مقابلہ میں کسی چمار زادے کو اہمیت دی جائے اور کسی چوڑے کے پتر کو برتر سمجھا جائے۔

اس باب کے آخر میں جو گل کھلایا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو' جس سے ان کی اندر کی کیفیت آشکار ہو جاتی ہے کہ اپنے اباجی کے مزید کمالات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ پرانے زمانے کا قصہ نہیں ہے' اسی صدی کا واقعہ ہے' لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی ریاضت قوت اور ہمت اب کہاں سے لائی جائے۔

ماشاءاللہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہلبیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے تقابل انہیں کو زیب دیتا ہے کیونکہ بزرگان دین بڑے بڑے محدثین' اولیاء کاملین اپنے مشائخ کی ریاضت کا ذکر تو کرتے رہے ہیں مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و اہلبیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تقابل سے وہ کوسوں دور تھے' اور وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں یا ہمارے بزرگوں کو جو کچھ ملا ہے ان کے طفیل سے ملا ہے' اور ہم تو ان کے قدموں کی خاک کے بھی برابر نہیں' تقابل کہاں؟

مولانا زکریا کاندھلوی نے اپنے باپ کی روایت میں اپنے خاندان کی بوڑھیوں کی روایت کا حوالہ بھی دیا ہے' اسی مناسبت سے فقیر ان کی ایک اور بوڑھی کی روایت بیان کرنا مناسب سمجھتا ہے جو مولانا اشرف علی تھانوی کی پردادی صاحبہ ہیں' ان کا واقعہ یوں ہے۔

(مولانا اشرف علی تھانوی کے پردادا محمد فرید صاحب کی) شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا' شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی اور فرمایا کہ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کرو گی تو اسی طرح روز آیا کروں گا لیکن اُن کے گھر والی کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں گے' اس لیے ظاہر کر دیا اور پھر آپ تشریف نہیں لائے۔ یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔ (اشرف السوانح جلد اول ص ۱۵)

ان کی بوڑھیوں کی روایات کا آپ خود اندازہ لگائیں کہ وہ کس قسم کی ہوتیں ہیں کہ وہ اپنے کارہائے وردوں کو کیا کیا رنگ دینے کی مہارت رکھتی ہیں' اس سے ان کے باپ کا حال بھی معلوم کر لیں۔ پھر دیکھیں کہ کہاں سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر کے ٹکڑے

اور کہاں انڈیا کا ایک کُتّب فروش ملوانا؟ کہاں سیدۃ نساء العالمین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دُودھ نوشِ جان فرمانے والے شہزادے اور کہاں اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل (بمصداق تقویۃ الایمان ص ۱۷) ایک عورت کی چھاتی سے چمٹنے والا اور بلکنے والا؟ کہاں سیّد العرب' امیر المؤمنین' باب مدینۃ العلم کی پاک نسل کے عظیم فرزندانِ دلبند اور کہاں ہندوؤں کی ہم وطنیت و ہم قومیت کی ڈھینگیں مارنے والے ملونٹے کے ناپاک پانی کی پیدائش' مولوی زکریا کاندھلوی کا باپ۔ مسلمانو! ذرا غور کرو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک کی عظمت کو سامنے رکھ کر اپنے دل و دماغ پر زور دے کر اپنے ضمیر سے پُوچھو کہ امامین کریمین طیّبین طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عظمت کے مُقابلہ میں ان کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ کیا ایسے بدباطن ملوانوں کو تم مساجد میں ٹھہرا کر محبّتِ اہلِ بیت کا ثبوت دیتے ہو یا ان کو موقع دیتے ہو کہ آؤ تم رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کی گئیں اپنی خیانتوں کو عام کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بُغض پر مشتمل کتابیں سُناؤ' اہلِ بیت اطہار کے مُقدّس افراد بالخُصُوص رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُقدّس گود میں کھیلنے والوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سواری کا شرف پانے والوں سے اپنے باپ کو بڑھا چڑھا کر ہمیں بتاؤ کہ ہم ہیں کہ تمھیں نیک صُورت دیکھ کر میٹھی زُبان' زُبانی کلامی خیر خواہی کے پیشِ نظر سب کچھ سُننے اور ماننے کے لیے تیار ہیں۔ مسلمانو! ہوشیار ہو جاؤ' قبر میں' حشر میں' پُلِ صراط پر' میزان پر' ہر مقام پر اگر کوئی چیز کام دے گی تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمانِ کامل کام دے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبّت اور اخلاص کے ساتھ ان کی اِتّباع کام دے گی۔ اہلِ بیت اطہار کی سچی اور سچی عقیدت

والفت ومودت کا کام دے گی۔

انشاء اللہ تعالیٰ ثم شاء رسولہ الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ابوحمزہ مظہری عفی عنہ

ضروری نوٹ:۔ تبلیغی جماعت کے عظیم مبلغ مولانا طارق جمیل کی خواہش پر یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے اس کے بعد مولانا طارق جمیل کے ایک نازک سوال' کیا تبلیغی جماعت والے گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ کا جواب آئے گا۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ (پارہ۲۸،سورہ المنافقون، آیت نمبر۵)

ترجمہ: اور جب اُن سے کہا جائے کہ آؤ رسُولُ اللہ تمہارے لیے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں اور تم انہیں دیکھو کہ غرور کرتے ہوئے مُنہ پھیر لیتے ہیں۔

پس منظر:

سُورۂ مُنافقون اور بالخُصُوص اس آیت کا پُورا مفہوم اس وقت واضح ہو گا جب اس کے پس منظر سے آگاہی حاصل ہو گی۔ جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ حضُور اکرم ﷺ کی مدینہ طیبّہ آمد سے قبل اہلِ مدینہ کے باشندے قبیلہ اوس وقبیلہ خزرج عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنا بادشاہ بنانے پر مُتّفق ہو چکے تھے' اس کی تاجپوشی کی تیاری آخری مرحلہ میں تھی تو اسلام کی روشنی مدینہ شریف میں داخل ہو گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اہلِ مدینہ کے ہر گھر سے کوئی نہ کوئی مُشرّف بہ اسلام ہو گیا' بالخصوص بیعت عقبہ ثانیہ جس میں اہلِ مدینہ کے ستّر (۷۰) افراد نے حضُور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کی کہ وہ خُوشی و ناخُوشی ہر حالت میں حکم بجالائیں گے، تنگدستی و خُوشحالی میں خرچ کریں' امر بالمعروف ونہی عن المنکر بجالائیں گے' اللہ تعالیٰ کے مُعاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے اور جب رسُولُ اللہ ﷺ ان کے پاس مدینہ طیبہ پہنچ جائیں گے تو وہ اُن کی مدد کریں گے' نیز اپنے اہل وعیال اور اپنی جانوں کی طرح ان کی حفاظت کریں گے۔ اس ارشاد کو سُن کر ان حضرات نے بیعت کر لی۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

يعطينا بذلك الجنة کہ حضور اکرم ﷺ اس کے بدلے ہمیں جنت عطاء فرماتے تھے۔ (مجمع الزوائد ۶/۴۶، زاد المعاد ۲/۳۴)

نوٹ:۔ مجمع الزوائد میں حاضرین بیعت عقبہ ثانیہ کی تعداد ستّر (۷۰) درج ہے عجب کہ تفہیم القرآن میں مودودی صاحب ۷۵ لکھتے ہیں۔ تفہیم القرآن ۵/۵۰۸ نیز تاریخ ابن کثیر میں بھی بحوالہ مسند امام احمد اصحاب بیعت عقبہ ثانیہ کی تعداد ستّر ہی درج ہے۔

الغرض بیعت کے بعد رسُولُ اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف فرما ہو گئے تو عبداللہ بن اُبی بن سلول کی تاجپوشی کا پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا' جس کا اُسے بہت قلق تھا اور وہ ہر وقت کُڑھتا رہتا تھا اور جب کبھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا موقع ملتا تو وہ دریغ نہ کرتا۔

جنگِ اُحُد کے موقع پر بھی ایسا ہی ہوا اور وہ سو ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس آ گیا۔ بنو قینقاع کے یہودی ہوں یا بنو نضیر کے یہ مسلسل ان کی حمایت کرتا رہا۔

جب حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ضرار مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کی تیاری کر رہا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا جس میں بہت سارے منافقین بھی شامل ہو گئے تا کہ مال غنیمت حاصل کر سکیں۔ جس میں کفار کو شکست کا سامان کرنا پڑا۔ ان کے اہل وعیال اور مال و متاع مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ واپسی پر ایک کنوئیں پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملازم جن کے ذمہ ان کے گھوڑے کی دیکھ بھال تھی۔ جہجاہ بن سعید غفاری اور سنان بن وبرہ جہنی جو کہ خزرج کے حلیف تھے کا باہمی جھگڑا ہو گیا' جہجاہ نے سنان کو پُشت پر لات رسید کر دی جسے قدیم کی روایت میں بڑی توہین سمجھا جاتا تھا' تو سنان نے یا

معزالانصار کہہ کر انصار کو مدد کے لیے پکارا اور جھجاہ نے مہاجرین کو مدد کے لیے آواز دی' اس طرح دونوں طرف سے کئی لوگ اپنے اپنے ساتھی لے آئے۔ فرمایا: یہ کیا جاہلیت والا دعویٰ ہے؟ تو آپ کو صورت حال سے آگاہ کیا گیا۔ قریب تھا کہ جنگ چھڑ جاتی۔ حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو کہ یہ شر عاذ موم ہے' آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے بھائی کی مدد کرے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم' اگر وہ ظالم ہے تو اس کو ظُلم سے باز رکھے' یہ اس کی امداد ہے اور اگر وہ مظلوم ہے تو اس کی مدد کرے۔ پھر مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت عبادہ بن صامت اور دیگر انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بات کی تو انہوں نے حضرت سنان سے گفتگو کی تو انہوں نے قصاص معاف کر دیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول دیگر منافقین کے ساتھ بیٹھا تھا۔ جن میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے جو کہ نوعمر مُخلص صحابی تھے۔

ابن ابی بن سلول کہنے لگا کیا انہوں نے ایسا کیا ہے۔ یہ ہمارے مقابلے میں نکل آئے ہیں' ہمارے علاقے میں بکثرت پھیل گئے ہیں' ہماری اور ان کی مثال یہی ہے جو کسی نے کہا ہے کہ تو اپنے کُتے کو کھلا پلا کر موٹا کرتا کہ وہ تجھے کھائے۔

والله لئن رجعنا الى المدينه ليخرجن الاعز

اللہ کی قسم ہم اگر مدینہ پہنچ گئے تو ضرور عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔

پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ یہ سب کچھ تم نے خود اپنے ساتھ کیا ہے' انہیں اپنے شہروں میں جگہ دی' ان کو مال تقسیم کر کے دیئے۔ اللہ کی قسم اگر تم ان کنگلوں سے اپنا ہاتھ روک لو' ان کو اپنا زائد کھانا نہ دو تو یہ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہوں گے اور کسی اور علاقہ میں چلے جائیں گے' لہٰذا ان پر خرچ کرنا بند کر دو یہاں تک محمد ﷺ سے جدا ہو جائیں۔

اس پر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

انت والله الذليل القليل المبغض فى قومك و محمد صلى الله عليه وسلم كريم فى عزمن الرحمن و مودة من المؤمنين

اللہ کی قسم تو ہی ذلیل' کمینہ' قلیل اور اپنی قوم میں مبغوض ہے جبکہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت اور مومنوں کی محبت میں جلوہ افروز ہیں۔

ابن ابی کہنے لگا تو چپ ہو جا' میں تو کھیل میں لگا ہوا تھا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر صورت حال عرض کی تو حضور اکرم ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ فرمایا: اے لڑکے! شاید تو خلاف واقع کہہ رہا ہے۔ عرض کی: اللہ کی قسم' یارسول اللہ ﷺ میں نے بات اس کی زُبانی سُنی ہے۔ فرمایا: شاید تجھے سننے میں غلطی لگی ہو؟ عرض کی: یارسول اللہ! قسم بخدا ایسا نہیں ہے۔ پھر فرمایا: شاید تجھے شُبہ لگا ہو۔ عرض کی: یَارَسُولَ اللہ! اللہ ربُّ العزّت کی قسم مجھے شُبہ نہیں لگا۔ لشکر میں ابن ابی کی بات پھیل گئی۔ انصار کے کچھ لوگوں نے حضرت زید کو ملامت کرنا شروع کر دیا کہ تُو نے اپنی قوم کے سردار کے خلاف ایسی بات کہہ دی ہے جو اُس نے نہیں کہی' تُو نے ظلم کیا ہے اور قطع رحمی کی ہے۔

حضرت زید نے فرمایا: اللہ کی قسم میں نے یہ باتیں اس کی زبانی سنی ہیں۔ اللہ جل مجدہٗ کی قسم قبیلہ خزرج میں میرے باپ کو سب سے زیادہ محبت عبداللہ بن ابی سے تھی۔

ولوسمعت هذه المقالة من ابى لنقلتها الى رسول الله

اگر یہ بات میں اپنے والد کے منہ سے سنتا تو بھی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کر دیتا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ پر میری تصدیق نازل فرما دے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں' یارسول اللہ ﷺ مجھے حکم

دو میں اس کی گردن اڑا دوں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے عرض کی کہ عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دو کہ وہ اس کی گردن اڑا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کیسے ہو سکتا ہے' اس وقت لوگ باتیں کریں گے کہ محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن تم کوچ کا اعلان کر دو۔ یہ سخت گرمی کا وقت تھا' ایسے وقت میں آپ ﷺ کوچ نہیں فرمایا کرتے تھے' اچانک حضور ﷺ اپنی قصویٰ اونٹنی پر تشریف فرما ہو کر نمودار ہوئے تو لوگوں نے سفر شروع کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے ابن ابی کو بلایا۔ وہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات تو نے کہی ہے جو مجھ تک پہنچی ہے۔ وہ کہنے لگا اس ذات کی قسم جس نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے' میں نے یہ بات نہیں کہی' زید نے جھوٹ کہا ہے۔ چونکہ عبداللہ بن ابی اپنی قوم کا سردار و عظیم تھا' اس لیے وہاں پر موجود انصاری عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ ہو سکتا ہے کہ زید لڑکا ہے اسے بات میں وہم پڑ گیا ہو یا اس کی بات پوری طرح یاد نہ رکھ سکا۔ اس پر حضور ﷺ نے ابن ابی کا عذر قبول فرما لیا۔ انصار نے حضرت زید کو ملامت کی اور ان کی تکذیب کی۔ ان کے چچا نے کہا' جن کے ہمراہ حضرت زید شریک جہاد ہوئے تھے' کہ تو نے اس سے کیا چاہا ہے مگر یہی کہ رسول اللہ ﷺ اور لوگوں نے تجھے جھٹلا دیا ہے اور تجھ سے ناراض ہوئے ہیں۔

حضرت زید پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلتے تھے' اس واقعہ کے بعد وہ قریب آنے سے شرم محسوس کرنے لگے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے سفر کا آغاز فرمایا تو سب سے پہلے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے۔ عرض کرتے ہیں۔ تحیۂ نبوت پیش کرتے ہیں' یعنی عرض کرتے ہیں' السلام علیک ایہا النبی رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اولم یبلغك ماقال صاحبك

کیا تجھ تک اپنے ساتھی کی بات نہیں پہنچی۔ وہ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ کون ساتھی۔ فرمایا: ابن ابی یہ کہتا ہے۔

انه ان رجع الی المدینة اخرج الاعز منها الاذل

کہ اگر وہ مدینہ پہنچ گیا تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا۔

حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں' یا رسول اللہ! آپ چاہیں گے تو اسے نکال دیں' وہی ذلیل ہے' آپ تو بڑی عزت والے۔

العزة لله ولك وللمؤمنين۔

عزت تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور آپ کے لیے ہے اور مومنین کے لیے ہے

پھر عرض کرنے لگے' یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کے بارہ میں نرمی فرمایئے' اللہ کی قسم آپ کی آمد کے وقت اس کی تاجپوشی کی مکمل تیاری ہو چکی تھی' یوشع یہودی کے پاس تاج تیاری کے آخری مرحلہ میں تھا' آج اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی دولت کے ساتھ یہاں لے آیا' اب وہ یہی سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کا ملک چھین لیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کا کمالِ ایمان:

عبداللہ بن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ ہی تھا۔ یہ مخلص صحابی تھے انہیں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کا علم ہوا کہ وہ ابن ابی کے قتل کی اجازت کے طلبگار ہیں۔ تو یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ اگر میرے والد کی ان باتوں پر جو آپ تک پہنچی ہیں اسے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تو مجھے حکم دیں اللہ کی قسم آپ کی مجلس برخاست ہونے سے قبل میں اس کا سر آپ کے پاس لے آؤں گا۔ اللہ کی قسم خزرج والے جانتے ہیں کہ خزرج کا کوئی آدمی مجھ سے بڑھ کر

اپنے والدین سے حسن سلوک کرنے والا نہیں ہے۔ یارسول اللہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی اور کو میرے والد کے قتل کا حکم دیں جو اسے قتل کر دے تو میں اپنے باپ کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھ کر برداشت نہ کر سکوں اور اسے قتل کر دوں اس طرح میں ایک کافر کے بدلے مومن کو قتل کر کے جہنمی بن جاؤں۔

وعفوك افضل منك واعظم

جب کہ آپ کا معاف فرمانا افضل واعظم ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ میں نے تیرے باپ کے قتل کا نہ ارادہ کیا ہے اور نہ ہی کسی کو اس کے قتل کا حکم دیا ہے وہ جب تک ہم میں سے ہے ہم اس کے ساتھ حسن سلوک ہی کریں گے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عرض کرتے ہیں کہ اس جزیرہ والے میرے والد کی تاجپوشی پر متفق ہو چکے تھے اس دوران اللہ تعالیٰ آپ کو لے آیا تو وہ اس اعزاز سے رہ گیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے ہمیں رفعت سے نواز دیا' اس کے ساتھ ایسے لوگ پھرتے رہتے جو اس کے سامنے ایسے امور ذکر کرتے رہتے ہیں' جبکہ اللہ تعالیٰ ان پر غالب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی اور محبت رسول ﷺ

اس سفر میں جب رسول اللہ ﷺ وادی عقیق کے پاس پہنچے تو حضرت عبداللہ بن عبداللہ لشکر سے آگے نکل کر کھڑے ہو گئے اور لوگوں کی شناخت کرتے رہے۔ جب ان کا والد رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی گزرا تو انہوں نے اس کی اونٹنی کو بٹھا کر اس کے اگلی ٹانگ پر قدم رکھ دیا۔ ابن ابی کہنے لگا اے کمینے تجھے کیا ہو گیا ہے؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ تو اس وقت تک مدینہ طیبہ داخل نہیں ہو سکتا۔

حتى يأذن لك رسول الله صلى الله عليه وسلم و تعلم ايهما
الاغر من الاذل انت اور رسول الله

جب تک رسول اللہ ﷺ تجھے اجازت نہ دیں اور جب تک تو یہ نہ جان لے کہ عزت والا کون ہے اور ذلیل کون ہے' تو یا رسول اللہ ﷺ۔

اسی طرح لشکر گزرتا رہا' مسلمان گزرتے تو حضرت عبداللہ گزرتے دیکھتے کہ انہوں نے اپنے باپ کو روکے رکھا ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کا جب گزر ہوا تو آپ نے اس بارہ میں صحابہ سے دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد کا راستہ روکے کھڑے ہیں کہ جب تک آپ اس کو اجازت نہیں دیں گے' وہ مدینہ طیبہ داخل نہیں ہو سکتا۔ جب حضور اکرم ﷺ قریب تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ اپنے والد کی سواری کی اگلی ٹانگ دبائے ہوئے ہیں اور ابن ابی کہہ رہا ہے۔

لَاَنَا اَذَلُّ مِنَ الصِّبْیَانِ لَاَنَا اَذَلُّ مِنَ النِّسَاءِ

کہ یقیناً میں بچوں اور عورتوں سے زیادہ ذلیل ہوں۔

اس پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اپنے والد کو جانے دے تو انہوں نے راستہ خالی کر دیا۔ اس ساری صورت احوال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت حکم ورحمت کا غلبہ ہی رہا۔ آپ ﷺ نے ابن ابی کے بارہ میں نہ خود سختی فرمائی اور نہ ہی کسی اور کو سختی کی اجازت دی۔ ابن ابی سلول نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کے بعد آ کر اپنی براءت ظاہر کی جھوٹی قسمیں اٹھائیں اور حضرت زید کی تکذیب کرتا رہا اس پر رسول ﷺ نے اس کچھ بھی نہ کہا اور نہ ہی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھوٹا قرار دیا بلکہ ابن ابی کے معاملہ میں حکم ودرگزر کا معاملہ فرمایا جہاں جب حضرت اسید بن صفیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ حضور آپ نے بے وقت کوچ کا حکم فرمایا ہے تو فرمایا۔

ابن ابی زعم ان رجع الی المدینة اخرج الاعز

کہ ابن ابی نے کہا ہے کہ اگر وہ مدینہ پہنچ گیا تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔ جیسا کہ تفصیل پہلے ذکر ہو چکی ہے

حضور اکرم ﷺ کے اس واضح ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جانتے تھے کہ ابن ابی کو جھوٹا اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ سچے ہیں۔

سورہ منافقون کا نزول:

ابن ابی کی اس کارستانی کے جواب میں اللہ جبار وقہار نے سورہ منافقون نازل فرما کر منافقین کی ساری طمع کاری وفریب کاری کا پردہ چاک فرمایا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا کا شان نزول

جب ابن ابی کی تکذیب کی آیات نازل ہوئیں اسے کہا گیا اے ابوخباب جو کہ اس کی کنیت تھی تیرے بارہ میں سخت آیات نازل ہوئی ہیں۔

فاذهب الى رسول صلى الله عليه وسلم سے يستغفرلك فلوى راسه قال اسرقمونى ان اومن فآمنت نامر تمونى ان المطى زكوٰة مالى فقداعطيت فما بقى الا ان اسجد لمحمد فانزل الله واذاقيل لهم تعالوا يستغفر لكم رسول الله لوواء وسهم الخ۔

کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جا وہ تیرے لیے بخشش کی دعا فرمادیں گے تو اس نے سر پھیر دیا اور کہنے لگا کہ تم نے مجھے کہا کہ ایمان لے آ تو میں ایمان لے آیا پھر تم نے زکوٰۃ ادا کرنے کو کہا تو وہ بھی ادا کرتا ہوں اب یہی باقی رہ گیا ہے کہ میں محمد ﷺ کو سجدہ کروں تو اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ واذاقیل لھم تعالوا نازل فرمادی۔ (تفسیر مظہری سورہ منافقون)

یہ تفصیل اپنے اپنے انداز میں تقریباً تمام مفسرین نے دی ہے فقیر نے تفسیر مظہریہ سے نقل کی ہے۔

در مصطفےٰ ﷺ کی حاضری اور طلب مغفرت:

اس آیہ کریمہ اور اس کے شان نزول سے واضح ہو گیا ہوں کہ معافی کا آسان ترین اور قریب ترین ذریعہ بارگاہ نبوی ﷺ میں صدق دل سے حاضری یہی ہے جو آدمی جیسا جرم کر چکا ہو حتی کہ رئیس المنافقین جیسا ذلیل گستاخی ایسی حرکت ہی کیوں نہ کر چکا ہو اس کی معافی کا ذریعہ بھی در مصطفےٰ ﷺ کی حاضری ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا معمول مبارک صحابہ کرام علیہم الرضوان کا معمول تھا کہ جب کبھی وہ کوئی ایسی بات یا کام کر بیٹھے جس پر ندامت ہوتی تو بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر معافی کے طلبگار ہوتے بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کی مرضی بھی یہی ہوتی کہ ان سے جرم صادر ہو گیا ہے تو میری طرف آئیں جیسا کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے جیسے مفسرین ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمَانَاتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

اے ایمان والو۔ اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت۔ (پارہ ۹، سورہ الانفال، آیت نمبر ۲۷)

کہ شان نزول میں ذکر فرمایا کہ جب حضور اکرم ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ فرمایا تو انہیں سفیر بنا کر ان سے گفتگو کے لیے روانہ فرمایا بنو قریظہ کی عورتیں اور بچے اور انہیں دیکھ کر چیخنے چلانے اور فریاد کرنے لگ گئے جس سے انہیں ان پر رحم آ گیا اور

دوران گفتگو اپنے گلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں بتادیا کہ انہیں ان کی بدعہدی کی سزا میں ذبح کردیا جائیگا حضرت ابولبابہ بیان کرتے ہیں کہ میں وہیں کھڑا کر مجھے احساس ہوگیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے خیانت کی ہے مجھے بڑی ندامت ہوئی میں نے ان للہ وانا الیہ راجعون پڑھا جب کہ آنسوؤں سے میری داڑھی تر ہوچکی تھی لوگ میری واپسی کے منتظر تھے جب کہ میں قلعہ کی دوسری جانب سے راستہ تبدیل کرتے مسجد میں چلا آیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا اور خود کو ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا (جسے اسطوانہ توبہ کہتے ہیں) اور میں نے یہ عہد کرلیا کہ میں یہی رہوں گا یہاں تک کہ میں فوت ہوجاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمایئے۔

جب حضور اکرم ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

زمالو جاء نی لا ستغفوت له ناما اذا فال ما فعل فانی لا الطلقه حتی یتوب اللّٰه علیه کہ اگر وہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لیے بخشش کی شفاعت کردیتا لیکن جب اس نے ایسا کیا ہے تو جب تک اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہیں فرمائے گا میں اسے نہیں کھولوں گا۔ (تفسیر مظہری زیر آیت ۲۷)

اسی طرح حضرت حرملہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کرتے ہیں کہ ایمان یہاں ہے اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا اور دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ منافقت یہاں ہے اور وہ اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔ اس پر حضور اکرم ﷺ خاموش رہے جب انہوں نے یہ بات بار بار دھرائی تو آپ ﷺ نے اس کی زبان کا کنارہ پکڑتے ہوئے یہ دعا کی۔

اللھم اجعل له لسانا صادقاً و قلباً شاکرا وارزقه حبی احب من یحبنی و صیر امره الی الخیر

اے اللہ اس کی زبان کو سچا اور دل کو شکر گزار بنادے اور اسے میری اور میرے چاہنے والوں کی محبت عطا فرمایا اور اس کا انجام ہو۔

حضرت حرملہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے اور منافق بھائی میں جن کا میں سرغنہ تھا کیا وہ میں آپ کو عرض نہ کردوں تو رسول ﷺ نے فرمایا۔

من جاء نا کما جئتنا استغفرنا له کما استغفرنالك

کہ ہمارے پاس جو بھی تمہاری طرح آئے گا ہم اس کے حق میں اسی طرح دعائے مغفرت کریں گے جس طرح کہ ہم نے تیرے لیے کی ہے

اور جو آدمی اپنے گناہ پر ڈٹا رہے اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے

ولا نخرق علی احد ستره رجاله رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد ۹/۳۱۰)

ہم کسی (منافق) کی پردہ دری نہیں کرتے۔

ان دونوں حدیثوں سے بالخصوص حضرت حرملہ کی والی حدیث کے الفاظ

من جاء نا کما جئتنا استغفرناله کما استغفرنالك

کہ جو بھی تمہاری طرح ہماری بارگاہ میں حاضر ہوگیا ہم اس کے لیے اسی طرح دعائے مغفرت کریں گے جس طرح کہ تیرے لیے کی ہے۔

سے واضح ہو رہا ہے کہ رسول ﷺ کا دریائے رحمت ہر وقت موجزن رہتا تھا کہ لوگ میرے پاس آکر بخشش کا سامان کرلیں۔ من جاء عموم جہان بھر کے گنہگاروں کو دعوت دے رہا ہے کہ گناہوں کی معافی کے طلبگار آ ور رسول ﷺ کے در اقدس پر آپ کے مبارک لب ہلتے ہی ساری زندگی کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

زیرِ مطالعہ آیت کا عموم:

آیہ کریمہ: اِذَاقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

کا شانِ نزول تو ابن ابی بن سلول کا سر پھیرنا اور بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری سے انکار ہے جو کہ ایک آدمی کا فعل تک جب کہ اللہ تعالیٰ نے لھم اور تعالو کو جمع کے صیغوں سے ذکر فرمایا واقعہ ایک آدمی کا ہو تو بیان واحد کی ضمیر اور صیغے سے کافی تھا جمع کا صیغہ لانے کی حکمت کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ بات تو ایک نے کی تھی مگر اس کے ساتھ دیگر منافق بھی تھے جو اس کے ہمنوا و ہمخیال تھے اس نے سب کی طرف نسبت کروں گا جس نے یہ بھی نتیجہ نکل رہا ہے کہ جو شخص بھی دربارگاہ نبوی ﷺ حاضر ہو کر استغفار و استشفاع سے روگردانی کرے گا وہ "لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ" کا مصداق ہوگا اور هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ میں داخل اللہ تعالیٰ نے جس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ جب کہ لفظ اذا مستقبل کے اہ سے کی بجائے لفظ لو ہوتا ہجو کہ ماضی کے لیے ہے زمانہ مستقبل پر دلالت کرنیوالے لفظ اذا کو ذکر کرنے کا مطلب ہے کہ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری کی زمان یا مکان کے ساتھ مقید نہیں ہے بلکہ یہ حاضری اور طلب مغفرت کا سلسلہ آغاز نبوت سے جاری ہے اور انتہائے نبوت تک جاری رہے چونکہ نبوت کی انتہاء نہیں ہے لہذا اس حاضری اور استغفار و استشفاع کی بھی کوئی اشتہار ہے یہ سلسلہ جس طرح دور رسالت مآب ﷺ میں جاری تھا اب بھی جاری ہے اور اس کا پوری طرح جلوہ قیامت کے ہی دن نظر آئے گا۔

حضرت جبرئیل کی دُعا سے مُردے زندہ ہونا اور مودودی تحریف



نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ (پارہ۲،سورہ بقرہ،آیت ۲۴۳)

ترجمہ: اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے۔ تو اللہ نے ان سے فرمایا' مرجاؤ' پھر انہیں زندہ فرمادیا۔ بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

(ترجمہ کنزالایمان از امام احمد رضا قدس سرہٗ)

حل لغات:

اَلَمْ تَرَ میں تَرَ رویت سے مشتق ہے' کیا آپ نے نہ دیکھا۔ رویۃ کا اطلاق چار طرح کا ہوتا ہے۔

۱۔ قوت حاسہ یعنی آنکھ سے دیکھنا۔

۲۔ رویت بالوھم والخیال یعنی کسی چیز سے متعلق وہم اور خیال کرنا۔

۳۔ رویت بالتفکر یعنی کسی چیز سے متعلق غور وفکر کرنا۔

۴۔ رویت بالعقل والقلب یعنی عقل اور دل سے دیکھنا۔



یہاں رویت کا چوتھا معنی مراد ہے یعنی عقل اور دل سے دیکھنا۔

اَلَمْ تَرَ میں لَمْ تَرَ پر ہمزہ استفہام کا داخل ہوا تو اس کا مطلب اصل چیز رویت (دیکھنے) کا اثبات اور تقریر ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ یعنی دیکھا ہے' جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَاجَّ اِبْرٰھِیْمَ کی تفسیر میں ہے۔

لَمْ تَرَ اِیْ بقلبك یا محمد' یعنی اے محمد ﷺ کیا آپ نے دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ واقعات عالم خواہ ان کا تعلق حضور اکرم ﷺ کی تشریف سے پہلے سے ہے یا بعد سے' وہ تمام کے تمام اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے فرما دیئے ہیں اور آپ نگاہ نبوت سے انہیں ملاحظہ فرماتے ہیں اور جہاں بھر کا کوئی واقعہ آپ کی نگاہ سے اوجھل نہیں۔ چنانچہ نبی غیب دان ﷺ نے اپنے علم کی وسعت کو بایں الفاظ فرمایا:

عُلِّمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ

یعنی مجھے تمام پہلوں اور پچھلوں کا علم عطا فرمادیا گیا ہے۔

اُلُوْفٌ:

الف کی جمع کثرت ہے' جس کا اطلاق دس اور اس سے زیادہ پر ہوتا ہے یعنی وہ لوگ کئی ہزار (دس ہزار سے زائد) تھے۔

حَذَرَ الْمَوْتِ:

خَرَجُوْا کا مفعول لہ ہے کہ گھر سے ان کے نکلنے کی وجہ موت کا ڈر تھا کہ وہ موت سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا

یعنی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ مرجاؤ۔

روایات کے مطابق یہ آواز دو فرشتوں نے دی تھی مگر چونکہ حکم خداوندی سے دی تھی اس لئے اسناد مجازی کے طور پر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے۔

ثُمَّ اَحْیَاھُمْ' پھر ان کو زندہ فرمایا۔ یہاں بطور اقتضاء النص فماتوا مقدر ہے کہ موتوا کی صدا سن کر وہ مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ فرما دیا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ میں فَضْلٍ کی تنوین تعظیم کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ عظیم فضل والا ہے۔

عَلَی النَّاسِ یعنی لوگوں پر' الناس سے مراد یا تو تمام لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے یا وہ مخصوص لوگ ہیں جن کا اس آیہ کریمہ میں تذکرہ ہو رہا ہے۔

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ اور اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

اصل واقعہ:

حضرت حزقیل علیہ السلام کے دور میں واسط شہر سے تین میل کے فاصلے پر واقعہ داوردان بستی میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی تو وہاں کے خوشحال لوگ بھاگ کر چلے گئے اور غرباء وہیں رہ گئے جن میں سے اکثر اس وباء سے ہلاک ہو گئے' بہت کم لوگ بچے۔ جب طاعون کی وبا ختم ہوئی تو وہ واپس آ گئے۔ انہیں صحیح سالم دیکھ کر وہاں رہنے والوں نے کہا کہ اگر دوبارہ طاعون پھیلی تو ہم بھی بھاگ کر جان بچا لیں گے۔ اتفاقاً آئندہ سال پھر طاعون کی بیماری آ پہنچی تو تمام کے تمام وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان وادی رفیح میں پہنچے اور سمجھے کہ ہم طاعون سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو حکم دیا۔ ایک نے

وادی کی بالائی سطح پر کھڑے ہو کر اور دوسرے نے نچلی جانب آ کر آواز دی۔ مُوْتُوْا یعنی مرجاؤ' تو سب کے سب اپنے جانوروں سمیت ایک آدمی کی موت کی طرح مر گئے۔ مردہ لاشیں ایک ہفتہ اسی طرح پڑی رہیں' جب وہ پھول گئیں اور اردگرد بدبو پھیلی تو لوگوں نے آ کر دیکھا کہ ہزاروں انسان مردہ پڑے ہیں۔ وہ اس قدر قبریں کھودنے سے عاجز تھے تو انہوں نے ان کے اردگرد دیوار کھڑی کر دی تا کہ درندے انہیں خراب نہ کریں اور وہ بدبو سے بھی بچ جائیں۔

ایک عرصہ اسی طرح گزر گیا' اجسام کے جوڑ جوڑ الگ ہو گئے تو وہاں سے حضرت حزقیل علیہ السلام کا گزر ہوا' آپ کھڑے ہو کر انہیں تعجب سے دیکھتے رہے' تفسیر مظہری میں ہے:

فَبَکٰی وَقَالَ یَا رَبِّ کُنْتُ فِیْ قَوْمٍ یَحْمَدُوْنَکَ وَ یُقَدِّسُوْنَکَ وَ یُکَبِّرُوْنَکَ وَ یُھَلِّلُوْنَکَ فَبَقِیْتُ وَحِیْدًا اِلَّا قَوْمٌ لِیْ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ اِنِّیْ جَعَلْتُ حَیَاتَھُمْ اِلَیْکَ۔ (تفسیر مظہری جلد ۱ ص ۳۴۴)

ترجمہ: اے رب کائنات میں ایسی قوم میں تھا جو تیری حمد و ثناء اور پاکی بیان کرتی تھی' تیری کبریائی اور تہلیل کرتی تھی۔ اب میں اکیلا رہ گیا ہوں' میری قوم نہیں رہی تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ ہم ان کی زندگی کا تمہیں اختیار دیتے ہیں۔

حضرت حزقیل علیہ السلام نے ان بوسیدہ ہڈیوں کو ندا دی۔

اَیَّتُھَا الْعِظَامُ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکِ اَنْ تَجْتَمِعِیْ

یعنی اے ہڈیو! اللہ کے حکم سے اکٹھی ہو جاؤ۔

تمام بکھری ہڈیاں آپس میں مل گئیں اور انسانی ڈھانچے تیار ہو گئے۔

پھر ندا دی:

ایتھا الارواحُ ان اللّٰہ یامرك ان تقومی

یعنی اے ارواح اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑی ہو جاؤ۔

یہ ندا سن کر تمام لوگ زندہ ہو گئے اور ان کی زبانوں پر یہ کلمات جاری تھے۔

سُبْحَانَكَ للّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں تیری حمد کے ساتھ، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

سب لوگ زندہ ہو کر گھروں کو لوٹے مگر قدرت الٰہیہ کے اظہار اور اُن کی موت سے فرار کی علامت ان میں باقی رہی۔ ایک روایت ہے کہ ان کے جسموں سے بدبو آتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آج تک ایک یہودی گروہ میں یہ بدبو پائی جاتی ہے۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ ان کے چہرے مردوں کی طرح تھے، تیسری روایت میں ہے کہ وہ جس انداز کا لباس پہنتے وہ از خود کفن کی شکل میں ڈھل جاتا۔

دوبارہ زندگی پانے والوں کی تعداد:

ان لوگوں کی تعداد میں متعدد اقوال ہیں۔ تین ہزار، چار ہزار، آٹھ ہزار، تیس ہزار، چالیس ہزار اور ستر ہزار کی تعداد مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ وَهُمْ اُلُوْفٌ پر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ وہ کم از کم دس ہزار تھے کیونکہ اُلُوْف اَلْفٌ کی جمع کثرت ہے جس کا اطلاق کم از کم دس اور دس سے زائد پر ہوتا ہے تو اُلُوْف کے معنی ہوئے کہ کم از کم دس ہزار۔

رحمت نبوی کے اثرات:

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے دل میں مردوں کے بارہ میں رحمت پیدا ہوئی تو کم از کم دس ہزار افراد کو نئے سرے سے زندگی نصیب ہو گئی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب و مقبول بندوں کی خواہشات کو پورا فرما کر دنیا میں ان کی عظمت کو واضح فرما دیتا ہے۔

طاعون کی حقیقت:

طاعون ایک وبائی مرض ہے جو پہلی اُمتوں پر بطور عذاب آیا کرتی تھی، جب لوگ سرکشی اور نافرمانی میں بڑھ جاتے تو طاعون ایسے عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جاتے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

الطاعون رجز ارسل علی بنی اسرائیل او علی من کان قبلکم فاذا سمعتم ان الطاعون بارض فلا تدخلوا ها واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها۔

ترجمہ: طاعون بنی اسرائیل پر یا تم سے پہلے لوگوں پر بطور عذاب بھیجی جاتی تھی، جب تم سنو کہ کسی علاقہ میں طاعون واقع ہے تو وہاں مت جاؤ اور جب تمہاری موجودگی میں کہیں یہ آفت آ پہنچے تو وہاں سے نہ نکلو۔

ایک حدیث شریف میں ہے:

اتانی جبریل بالحمی والطاعون فامسکت الحمی بالمدینة وارسلت الطاعون الی الشام فالطاعون شهادة لامتی ورحمه لهم ورجس علی الکافر۔ (تفسیر روح البیان جلد ا، ص ۱۴۴)

ترجمہ: کہ جبریل امین علیہ السلام میرے پاس بخار اور طاعون لے کر حاضر ہوئے تو میں نے مدینہ طیبہ میں بخار کو روک لیا اور طاعون کو ملک شام کی طرف بھیج دیا۔ طاعون میری اُمت کیلئے شہادت و رحمت ہے اور کافروں پر عذاب ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملک شام کی طرف تشریف لے گئے تو لشکر اسلامی کے رؤسا حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور آپ کے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا اور عرض کی کہ ملک شام میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے' لہٰذا آپ وہاں تشریف نہ لے جائیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہو گئے۔ عرض کیا کہ میرے پاس اس بارے میں علم ہے۔ میں نے رسول معظم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تمہاری موجودگی میں کسی جگہ طاعون کی وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے مت بھاگو اور جب تم کسی علاقہ میں طاعون کے متعلق سنو تو وہاں مت جاؤ۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ یہ سن کر حمد الٰہی بجا لائے اور واپس تشریف لے آئے۔

اس واقعہ نے ناقلین:

فقیر کے پاس جو تفاسیر موجود ہیں ان تمام میں یہ واقعہ موجود ہے۔ تفسیر ابن کثیر' تفسیر روح المعانی' تفسیر کبیر' تفسیر جلالین اور اس کی شرح' تفسیر صاوی' تفسیر خزائن العرفان' تفسیر نعیمی اور تفسیر مظہری میں یہ واقعہ موجود ہے۔

علاوہ ازیں علامہ یاقوت حموی نے بھی داوروداق کے محل وقوع میں اسے نقل کیا ہے۔

نوٹ: فقیر کا طریقہ ہے کہ جب میں کسی ایسی آیت کی تفسیر دیکھوں جن سے عظمت

انبیاء علیہم السلام کا پہلو نمایاں ہو رہا ہو تو میں دیگر تفاسیر دیکھنے کے بعد تفہیم القرآن کو ضرور دیکھتا ہوں (چونکہ عظمت والا پہلو بیان کرنا ان کیلئے بہت مشکل ہے) تاکہ پتہ چل جائے کہ انہوں نے آیہ کریمہ کا صحیح و صریح مفہوم بدلنے کیلئے کس قدر پیچ و تاب کھائے ہیں اور کتنی کوفت کے بعد نیا مفہوم تلاش کیا ہے۔ (ظہور احمد جلالی)

ماڈرن تفسیر:

بعض لوگوں کی یہ فطرت بن چکی ہے کہ وہ ایسے مقام پر بے چین و بے قرار ہو جاتے ہیں جو عظمت انبیاء علیہم السلام کو ظاہر کرتا ہو۔ مذکورہ آیہ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین عظام نے یہ بات نقل فرمائی ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے ہزارہا انسانوں کو زندگی نصیب ہوئی' یہ ان کا معجزہ تھا اور قدرت الٰہیہ کے سامنے یہ کوئی بڑی بات نہ تھی کہ وہ بطور سزا مار دیئے گئے اور نبی اللہ علیہ السلام کی عظمت کے صدقے زندہ کر دیئے گئے مگر جن لوگوں کو اس آخری بات سے چڑ ہے یہ بات بیان کرتے وقت ان کی جان جلتی ہے تو اس کی تاویل و تحریف میں ہاتھ پاؤں مارنے لگ جاتے ہیں' چنانچہ مودودی صاحب نے بھی مذکورہ آیہ کریمہ کی تفسیر میں یہی انداز اختیار فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

"یہ اشارہ بنی اسرائیل کے واقعہ خروج کی طرف ہے۔ سورۂ مائدہ کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ یہ لوگ بہت بڑی تعداد میں مصر سے نکلے تھے۔ دشت و بیابان میں بے خانماں پھر رہے تھے' خود ایک ٹھکانے کیلئے بے تاب تھے مگر جب اللہ تعالیٰ کے ایماء سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کو حکم دیا کہ ظالم کنعانیوں کو ارضِ فلسطین سے نکال دو اور اس علاقے کو فتح کر لو تو انہوں نے بزدلی دکھائی اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار اللہ (تعالیٰ) نے انہیں چالیس سال تک زمین

میں سرگرداں پھرنے کیلئے چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ ان کی ایک نسل ختم ہو گئی اور دوسری صحراؤں کی گود میں پل کر اٹھی' تب اللہ تعالیٰ نے انہیں کنعانیوں پر غلبہ عطا کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے کو موت اور دوبارہ زندگی کے الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(تفہیم القرآن جلد ۱، ص ۱۸۴)

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں تبدیلی اور دیگر جملہ مفسرین کی مخالفت کا اور کیا سبب ہوسکتا ہے سوائے عظمت نبی پر پردہ ڈالنے کی ناپاک کوشش کے مگر:

؎ رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

یہ مفہوم الفاظ قرآنی کے سراسر مخالف ہے' اسے تفسیر کی بجائے تحریف کہا جاتا ہے کیونکہ موت وحیات کا حقیقی معنی چھوڑ کر بلاوجہ مجازی معنی لینا انصاف سے دور ہے۔

مرزا قادیانی ملعون نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ مکرمہ (وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ (پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۴۹) کہ میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں) کی اسی طرح کی تاویلات کی ہیں۔ وہ تو معجزاتِ انبیاء کا منکر تھا تو تاویل وتحریف کے چکر میں پڑ گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم' مودودی صاحب کو کیا پریشانی لاحق ہوئی کہ موت وحیات کے معنی ومفہوم کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ غالباً وہ عظمت نبوت کے اظہار سے روگرداں ہے۔ تفہیم القرآن کی مذکورہ تفسیر اس لئے بھی غلط ہے کہ بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا احسان خداوندی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (پارہ ۱، سورہ البقرہ، آیت ۴۹)

ترجمہ: یاد کرو وہ وقت جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات بخشی۔

مودودی صاحب بھی اسے احسان ہی تسلیم کرتے ہیں' چنانچہ لکھتے ہیں: اس تاریخی بیان میں دراصل یہ دکھانا مقصود ہے کہ ایک طرف یہ اور یہ احسانات ہیں جو خدا نے تم پر کئے۔ (تفہیم القرآن جلد ۱، ص ۷۵)

اس سے ثابت ہو گیا کہ بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا احسان باری عزاسمہٗ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منشاء کے عین مطابق تھا کیونکہ آپ نے فرمایا تھا:

فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت ۴۷)

یعنی تو اولاد یعقوب کو ہمارے ساتھ چھوڑ دے۔

جیسا کہ آیہ کریمہ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ الخ (البقرہ: ۲۴۳) میں حَذَرَ الْمَوْتِ کے الفاظ وارد ہیں کہ ان کا گھروں سے نکلنا موت کے ڈر سے تھا۔

حَذَرَ الْمَوْتِ خَرَجُوْا کا مفعول لہ ہے جو خروج کی علت بیان کر رہا ہے۔

تو پتہ چلا کہ ان کا گھروں سے نکلنا احسان باری تعالیٰ کے پیش نظر نہیں تھا' وہ تو موت سے راہ فرار اختیار کر کے بھاگے تو آگے بھی موت ہی نصیب ہوئی تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس آیہ کریمہ میں جس خروج کی طرف اشارہ ہے وہ مصر سے بنی اسرائیل کے خروج سے الگ واقعہ ہے۔

(بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تھے تو وہ چھ لاکھ سے زائد تھے جیسا کہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ہزاروں تھے) جیسا کہ مفسرین نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور وہ قرآن عزیز کے الفاظ وانداز کے عین مطابق ہے۔ اس میں تاویل وتحریف کی ضرورت پڑتی ہے' نہ اختلاط واقعات کی۔

مزید برآں انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت و بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کا پہلو بھی خوب نمایاں ہو کر اہل ایمان کے قلوب کو منور کرتا ہے اور اہل بصیرت کی بصیرت میں اضافہ۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

(پارہ ۲۷، سورہ الحدید، آیت ۲۱)

یزکیھم

کی

تفسیر میں تحریف کا علمی محاسبہ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

(پارہ۲،سورہ البقرہ،آیت۱۵۱)

ترجمہ:۔ جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔ (کنزالایمان از امام اہلسنت علیہ الرحمۃ)

تفسیر:

اللہ جل مجدہ نے اس سے پہلی آیہ کریمہ میں فرمایا

لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ (پارہ۲،سورہ البقرہ،آیت۱۵۰)

تاکہ تم پر نعمت مکمل کر دوں۔

اس آیہ مبارکہ میں کاف تشبیہ لاکر فرمادیا کہ جس طرح ہم نے تم میں رسول بھیج کر تم پر انعام فرمایا ہے اس طرح نعمت مکمل کر کے احسان فرمارہے ہیں۔

فِیْکُمْ۔تم میں۔

اس سے مراد قریش مکہ ہیں۔ یہ خطاب انہیں اس بناء پر فرمایا گیا ہے کیونکہ لوگ قریش کے تابع ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا۔

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (پارہ۱،سورہ البقرہ،آیت۱۲۴)

اس کے جواب میں حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے عرض کیا:



وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ

اس طرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلنَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَیْشٍ کہ لوگ قریش کے تابع ہیں۔

مِنْکُمْ۔ تم میں سے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قریش میں سے رسول مبعوث فرمایا علیہ السلام والتحیہ۔ کسی اور قبیلہ سے نہیں اس کی کئی وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ:

کہ قریش کا عزت و دین میں مرتبہ و مقام بلند ہو کیونکہ جب رسول بھی آل ابراہیم سے ہو اور وہ مبعوث بھی آل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہو تو ان کے مرتبہ و مقام میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

دوسری وجہ:

جب یہ رسول مقبول انہی سے ہوں گے تو وہ ان کے مولد و منشاء جائے پیدائش اور حالات زندگی سے واقف ہوں گے تو ان کی صداقت و امانت جانچنے میں دقت پیدا نہ ہوگی۔

تیسری وجہ:

جب وہ رسول انہیں میں سے ہوں گے تو وہ یقیناً ان کی بھلائی اور خیر خواہی کے زیادہ حریص ہونگے اور باہر سے جلوہ افروز ہونے والے رسول سے بالضرور زیادہ شفیق ہوں گے۔

یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ آیَاتِنَا (پارہ۲،سورہ البقرہ،آیت۱۵۱)

کہ وہ تم پر ہماری آیتوں کی تلاوت فرماتے ہیں۔

یہ رَسُولًا کی صفت ہے۔اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ایک اُمی شخص جو کسی مکتب میں کبھی نہ گیا ہو وہ ایسی آیات بینات کی تلاوت فرمائے جو اپنی بلاغت کے لحاظ سے انسانی طاقت سے باہر ہو، غیبی خبروں پر مشتمل ہو اور دنیا و آخرت کے تمام امور پر حاوی ہو تو ان آیات بینات کی تلاوت کرنے والا یقیناً اللہ جل مجدہ کا برحق رسول ہوگا۔

وَيُزَكِّيهِمْ (البقرہ:۱۵۱) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صفت ہے ۔اسے آیات کی تلاوت کے بعد اس بناء پر لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کی توفیق دینا چاہے اس کو شرک سے پاک کرنا چاہیے تو وہ قبول حق کی طرف مائل ہوگا اور عمل تطہیر کی صورت میسر آئے گی۔

يُزَكِّيكُمْ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے جو کلمات بابرکت رقم فرمائے ہیں ان کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے ہم جدید مفسرین کی کارستانی کی طرف اشارہ کریں گے۔علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمہ۔سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۹ میں واقع وَيُزَكِّيهِمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ۔

اى يُطَهِّرُهُمْ مِنْ اَرْجَاسِ الشِّرْكِ وَ اَنْجَاسِ الشَّكِ وقَاذُوْرَاتِ الْمَعَاصِيْ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو شرک کی پلیدیوں ، شک کی نجاستوں اور گناہوں کی گندگیوں سے پاک کرتے ہیں۔

علامہ آلوسی علیہ الرحمہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۵۱ میں واقع وَيُزَكِّيكُمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لِاَنَّ التَّطْهِيْرَ عَنْ ذٰلِكَ نَاشِئ" عَنْ اِظْهَارِ الْمُعْجِزَةِ لِمَنْ اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى تَوْفِيْقَهٗ۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرک سے پاک کرنا اس شخص کے حق میں معجزے کا اظہار ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق عطا فرمانا چاہتا ہے۔

علامہ علاء الدین علی بن ابراہیم بغدادی مشہور علامہ خازن تفسیر خازن میں يُزَكِّيهِم کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اَىْ يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الشِّرْكِ و عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ وَسَائِرِ الْاَرْجَاسِ وَالرَّذَائِلِ وَالنَّقَائِصِ۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں شرک، بتوں کی عبادت اور تمام نجاستوں ، بری عادتوں اور کوتاہیوں سے پاک کرتے ہیں۔ (تفسیر خازن ج ۱/۸۲)

سورہ بقرہ کی آیت ۱۵۱ میں واقع يُزَكِّيكُمْ کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَىْ يُطَهِّرُكُمْ مِنْ دَنَسِ الشِّرْكِ

کہ وہ تمہیں شرک کی پلیدی سے پاک کرتے ہیں۔(تفسیر خازن ۹۲)

اس طرح علامہ خازن سورہ آل عمران کی آیت ۱۶۴ میں واقع يُزَكِّيكُمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَيُزَكِّيهِمْ اى ويُطَهِّرُهُمْ مِنْ دَنَسِ الْكُفْرِ و نَجَاسَةِ الْمُحَرَّمَاتِ وَالْخَبَائِثِ۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کفر کی پلیدی اور محرمات و خباثتوں کی نجاست سے پاک کرتے ہیں۔(تفسیر خازن ج ۱/۳۱۵)

امام المتکلمین امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۹ کی تفسیر میں طویل گفتگو کے دوران لکھتے ہیں۔

قَالَ الْحَسَنُ يُزَكِّيهِمْ يُطَهِّرُهُمْ مِنْ شِرْكِهِمْ۔

کہ وہ رسول ان کو ان کے شرک سے پاک کردے۔

یہی امام سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۴ میں واقع وَيُزَكِّيهِمْ کی تفسیر تحریر فرماتے ہیں۔

وَيُزَكِّيهِمْ اِشَارَة" اِلیٰ تَكْمِيلِ الْقُوَّةِ النَّظَرِيَّةِ بِحُصُوْلِ الْمَعَارِفِ الْاِلٰهِيَّةِ۔

کہ یزکیھم اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معارف الٰہیہ کے حصول کے ذریعے ان کی قوت نظریہ کی تکمیل فرماتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر دمشقی اپنی تفسیر میں ویزکیھم کی تفسیر میں یوں رقم طراز ہیں۔

يُزَكِّيهِمْ اى يُطَهِّرُهُمْ مِنْ رَذَائِلِ الْاَخْلَاقِ وَ دَنَسِ النُّفُوْسِ وَ اَفْعَالِ الْجَاهِلِيَّةِ و يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں برے اخلاق، نفوس کی گندگی اور جاہلیت کے کاموں سے پاک کرتے ہیں اور انہیں اندھیروں سے نور کی طرف لاتے ہیں۔

علامہ سید آلوسی آل عمران آیت ۱۶۵ میں فرماتے ہیں کہ

التَّزْكِيَةُ الَّتِى هِىَ عِبَارَة" عَنْ تَكْمِيلِ النَّفْسِ بِحَسْبِ الْقُوَّةِ الْعَمَلِيَّةِ و تَهْذِيبِهَا الْمُتَفَرِّعِ عَلىٰ تَكْمِيلِهَا الْقُوَّةِ النَّظَرِيَّةِ۔

کہ تزکیہ کا مطلب ہے کہ قوت عملیہ کے لحاظ سے نفس کی تکمیل کرنا اور نفس کو مھذب کرنا جو کہ قوت نظریہ کے لحاظ سے اس کی تکمیل پر متفرع ہوتا ہے۔

صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ وَيُزَكِّيهِمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(تَزْكِيَة) ستھرا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ لوح نفوس وارواح کو کدورت سے

پاک کرکے حجاب اٹھادیں اور آئینہ استعداد کی جلا فرما کر انہیں اس قابل کردیں کہ ان میں حقائق کی جلوہ گری ہوسکے۔ (خزائن العرفان علی کنزالایمان بقرہ ۱۲۹)

آمدم برسرِ مطلب:

ان متعدد حوالہ جات سے قارئین عظام خوب سمجھ چکے ہوں گے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صفت ہے تزکیہ فرمانا جو کہ اپنی باطنی خوبیوں اور ظاہری کمالات کے لحاظ سے انتہائی بلند وصف ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُزَكِّى ہونے کا ہی کرشمہ ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ایک لحہ کے لیے ارادت صادقہ سے حاضر ہوتے تو آن کی آن میں انسان کامل بن جاتے اور ہدایت کے ستاروں میں شامل ہو جاتے حتیٰ کہ بعد والے لمبی لمبی مدتوں کی ریاضت ومجاہدہ کے باوجود ان کے کمالات تک رسائی حاصل نہ کر پاتے۔

فکرخوارج کی تلبیسی چال:

تزکیہ کے معانی ومطالب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مزکی سامنے رکھتے ہوئے راقم آثم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا اقتباس پیش کرتے ہوئے قارئین باتمکین کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہے کہ مولانا مودودی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے کیا وہ منصب نبوت ومقام رسالت پر فائز ختم نبوت کے تاجدار امام الانبیا علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے مرتبہ ومقام کی عکاسی کرتا ہے یا آپ کی نشان رفیع سے کہیں کم تر وصف کی نشاندہی کرتا ہے۔

مولانا مودودی کی گوہر افشانی ملاحظہ ہو:

يُزَكِّيهِمْ اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ زندگی سنوارنے میں خیالات

،اخلاق، عادات، معاشرت، تمدن، سیاست غرض ہر چیز کو سنوارنا شامل ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۱/۱۱۲)

مولانا مودودی نے آگے چل کر پھر یزکی کا معنی سیدھا اور صاف معنی تمہیں پاک کرتے ہیں کرنے کی بجائے یوں معنی کیا ہے۔ یُزَکِّیْکُمْ ۔ تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۱/۱۲۵)

مولانا مودودی صاحب نے آگے چل کر سورہ آل عمران میں بھی یُزَکِّیْھِمْ کا صاف ترجمہ' وہ ان کو شرک و معاصی سے پاک کرتے ہیں، کرنے کی بجائے عامیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یُزَکِّیْھِم ۔ ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۱/۳۰۰)

مولانا مودودی کے اسی ترجمہ میں بے پنہاں ان کی مرگ خارجیت کا اظہار انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کسی موقع پر مستقل مضمون میں کیا جائے گا۔ بتوفیقہ تعالیٰ سردست آخر کلام میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق مدینہ طیبہ کے عین مشرق میں واقع دہلی ورائیونڈ سے حیرانی و سرگردانی میں گشت کرنے والی تراشیدہ سر جماعت کی حال ہی میں شائع ہونے والی ایک کتاب کا ایک حوالہ پیش خدمت ہے تاکہ مضمون موعود (وعدہ کردہ مضمون) کی اشاعت تک سامعین ان کی اندرونی جھلک سے خود ہی آگاہ ہو جائیں۔

تبلیغی جماعت کے امیر مبلغ مولانا یوسف کاندھلوی کی مؤلفہ کتاب ''منتخب احادیث'' فقیر کے سامنے ہے' جس کا مقدمہ سید ابوالحسن ندوی کا ہے اور اس کے مترجم کا نام یوں درج ہے۔ مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہٗ مدرسہ کاشف العلوم دہلی۔ اس کتاب کے صفحہ ۸ پر عرض مترجم کے عنوان سے سعد صاحب کا مضمون ہے جس کا آغاز

انہوں نے سورہ آل عمران کی آیت ۱۶۴ سے کیا ہے۔ اس آیت میں واقع وَیُزَکِّیْھِمْ کا معنی یوں کیا ہے۔ ان کے اخلاق کو بناتے اور سنوارتے ہیں۔

(منتخب احادیث صفحہ ۸ مطبوعہ کتب خانہ فیضی لاہور سن اشاعت ستمبر ۲۰۰۰ء)

سعد صاحب کاندھلوی کو صاف وصریح ترجمہ سے ہٹ کر ترجمہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی یہ ارباب فکر و دانش اور اصحاب فضل و بصیرت سے مخفی نہیں ہے۔

===============

رمضان المبارک کے روزے

یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (پارہ ۲، سورہ البقرہ، آیت ۱۸۳)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔

(کنزالایمان از امام اہلسنت شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ)

روزہ کی فرضیت:

اس آیہ کریمہ میں روزے کی فرضیت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ روزہ ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد ۲ھ کو فرض ہوا۔ ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت میں تدریج سے کام لیا گیا ہے۔ پہلے عاشورہ کا روزہ فرض تھا اسے منسوخ کرکے ایام بیض (چاند ماہ کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخوں) کے روزے فرض کیے گئے۔ پھر انہیں منسوخ کرتے ہوئے ماہ رمضان کے روزے فرض کیے گئے۔ اس میں یہ گنجائش موجود تھی کہ ایک صحت مند آدمی بلا عذر اگر روزہ نہیں رکھتا تو وہ ہر روزے کے بدلے فدیہ دے دے یہ اسے کافی تھا۔ بعد

میں اسے بھی منسوخ کر کے ہر ذی استطاعت پر روزہ لازم کر دیا گیا۔ نیز روزہ کے وقت میں بھی تبدیلی واقع ہوئی۔ پہلے رات کو سونے سے قبل کھانا کھانے کی اجازت تھی۔ سونے کے ساتھ ہی روزے کا وقت شروع ہو جاتا تھا۔ ایک بار حضرت صرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارا دن روزہ کے ساتھ کام کاج کرتے رہے۔ رات کو گھر آئے اور عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ کھائے پیئے بغیر سو گئے۔ صبح روزے کی حالت میں مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں انتہائی مشقت میں مبتلا دیکھا تو فرمایا کیا بات ہے میں تجھے انتہائی مشقت میں دیکھ رہا ہوں؟

انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں کل سارا دن کام کرتا رہا، رات کو گھر آ کر لیٹا اور سو گیا تو صبح روزے کی حالت میں بیدار رہا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے تخفیف نازل فرمادی کہ صبح تک کھانے پینے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

تفسیر کلمات:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو) کہہ کر خطاب فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ روزہ ایک بھاری کام تھا اور اس کی ادائیگی نفس کے لیے گراں تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہمت افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (اے ایمان والو)

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ ۔ (البقرہ:۱۸۳)

تم پر روزے فرض کیے گئے۔

یہ کُتِبَ ماضی مجہول کا صیغہ ظاہر کر رہا ہے کہ روزے پہلے دن سے امت محمدیہ پر لکھ دیے گئے تھے یہ محض اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے قبل لوح محفوظ میں ان کی فرضیت ثبت کی جا چکی ہے۔

پہلی کتابوں تورات وانجیل میں اس امت مرحومہ کے اوصاف میں اس امت کو فرضیت روزہ کا پابند قرار دیا جا چکا ہے۔ لہٰذا ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے صدق دل سے روزے رکھو۔ صیام صوم سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں رک جانا، چھوڑ دینا۔ روزہ کو روزہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں مخصوص وقت کے لیے کھانے پینے سے رک جانا ہوتا ہے۔

اصطلاح شرع میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عمل زوجیت سے نیت کے ساتھ رکنے کو روزہ کہتے ہیں۔

کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (البقرہ:۱۸۳)

جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے۔

ان کلمات طیبات میں امت مرحومہ کو تسلی دی جارہی ہے کہ روزے رکھنا اگرچہ مشکل کام ہے مگر یہ کام پہلے لوگ بھی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ تم تو ان سب سے افضل امت ہو، لہٰذا تم پورے اہتمام کے ساتھ یہ حکم بجا لاؤ تا کہ قیامت کے دن تمہاری افضلیت برقرار رہے۔

تفاسیر میں بالتفصیل درج ہے کہ کس امت پر کس انداز میں روزے فرض رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر ایام بیض (تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ قمری) کے روزے فرض تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت پر ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے جو کہ نصاریٰ نے بعد میں مختلف تبدیلیاں کرتے ہوئے پچاس دن کے روزے بنا لیے۔

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْن۔ تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

یہ روزہ کے بلند مقصد کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ کا مقصد صرف بھوک اور

پیاس برداشت کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود بندوں کی پرہیزگاری ہے۔ یہ لوگ اخلاق رزیلہ اور اعمال سیہ سے بچ کر اخلاق حمیدہ اور صالح کردار کے حامل بن جائیں۔

لہٰذا جو لوگ روزہ رکھ کر بھی حرام چیزوں اور برے طور طریقہ سے پرہیز نہیں کرتے ان کے روزہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ

مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَ الْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَ شَرَابَہٗ

(بخاری کتاب الصیام، مشکوٰۃ کتاب الصوم، باب تنزیہ الصوم، پہلی فصل)

جس شخص نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے (اس کی بارگاہ میں اس کی کوئی قدر نہیں)

==========

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا گواہ کون؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔

(پارہ ۱۲، سورہ یوسف، آیت نمبر ۲۶، ۲۷)

حضرت یُوسُف علیہ السّلام نے کہا اس نے مجھ کو لبھایا کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی، اگر ان کا کُرتا آگے سے چرا ہے تو عورت سچی ہوگی اور انہوں نے غلط کہا اور اگر ان کا کُرتا پیچھے سے چاک ہو تو عورت جھوٹی اور یہ سچے۔ (یوسف ۲۶۔۲۷)

پس منظر:

حضرت سیدنا کریم یوسف علیہ السلام کو جب عزیز مصر خرید کر گھر لایا تو ان کے حسن و جمال، زیرکی و متانت، حسنِ آداب و کریمانہ اخلاق دیکھ کر پکارا اٹھا۔

عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا

(پارہ ۱۲، سورہ یوسف، آیت ۲۱)

شاید ان سے ہمیں نفع پہنچے یا ہم بیٹا بنالیں۔

عزیز مصر نے یہ اس لئے کہا تھا کہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس طرح آپ عزیز مصر کے گھر میں عزت و کرامت سے زندگی گزار رہے تھے۔ اس دوران عزیز مصر کی بیوی زلیخا ان پر فریفتہ ہوگئی اور اپنی طرف مائل کرنے کی تگ و دو کرنے لگی۔ ایک بار موقع پا کر اس نے دروازے بند کر لئے اور گناہ پر آمادہ کرنے لگی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ دانتوں میں انگلی دبائے

کھڑے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے برھان ربی سے تعبیر فرمایا ہے، اس میں اور بھی اقوال موجود ہیں۔ الغرض حضرت سیدنا کریم یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف بھاگے جو کہ بند تھا، جب آپ قریب پہنچے تو تالا از خود ٹوٹ گیا اور دروازہ خود بخود کھل گیا، اس طرح آپ علیہ السلام جس دروازے تک پہنچتے تو وہ از خود ہی کھل جاتا۔ زلیخا آپ کے پیچھے دوڑ رہی تھی، جب اس دروازے کے قریب پہنچے جو صحن میں کھلتا تو زلیخا نے پیچھے سے ان کی قمیض پکڑ کر روکنے کی کوشش کی تو قمیض پیچھے سے پھٹ گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام صحن میں پہنچے تو دیکھا کہ عزیز مصر سامنے کھڑا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر زلیخا نے اپنی پاکدامنی ظاہر کرنے کی خاطر حضرت یوسف علیہ السلام کو موردِ الزام ٹھہرانا چاہا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔

هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ (پارہ ۱۲، سورہ یوسف، آیت ۲۶)

کہ اس نے مجھ کو لبھانا چاہا کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں۔

اب ایک طرف الزام تھا اور دوسری طرف اظہار برات تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی پاکدامنی کا اعلان ایک شیر خوار بچے سے کروادیا۔ اسے قوت گویائی عطا فرماتے ہوئے ولیل سدھاوہ بول کر کہنے لگا۔

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ

(پارہ ۱۲، سورہ یوسف، آیت ۲۶، ۲۷)

کہ اگر ان کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف علیہ السلام جھوٹوں سے ہیں اور ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف علیہ اسلام سچوں سے ہیں۔

گواہ کون تھا:

یہ گواہی دینے والا کون تھا' اس سلسلہ میں علماء کے دو قول ہیں اور دونوں قول حضرت سید المفسرین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ عاقل بالغ مرد تھا' دوسرا قول بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے۔

کَانَ صَبِیًّا فِی الْمَهْدِ کہ وہ گود میں کھیلنے والا ایک بچہ تھا۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

تَکَلَّمَ اَرْبَعَةٌ وَّهُمْ صِغَارٌ

کہ چار بچوں نے اپنے بچپنے میں کلام کیا ہے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام کا گواہ بچہ بھی ہے۔

اس حدیث کو حضرت ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

ابن جریر کے علاوہ دیگر حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ چار بچوں نے شیر خوارگی کے عالم میں گفتگو فرمائی۔

۱۔ فرعون کی بیٹی کی کنگھی پٹی کرنے والی کا بیٹا۔

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی گواہی دینے والا بچہ۔

۳۔ جریج نامی عابد کی پاکدامنی بیان کرنے والا بچہ۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کو دیکھا گیا وہ پیچھے سے پھٹی تھی جس سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پاکدامن ہیں اور زلیخا ہی قصوروار ہے۔

تفسیر القرآن کا اصول:

تفسیر قرآن کا اصول یہ ہے کہ پہلے قرآن پاک کی تفسیر قرآن پاک سے کی جائے اور اس کے بعد درجہ ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر حدیث شریف سے کی جائے اور تیسرا درجہ ہے کہ تفسیر قرآن اقوال صحابہ کرام علیہم الرضوان سے کی جائے۔

اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا گواہ کون تھا تو قرآن پاک نے ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی برہان کو ملاحظہ فرمایا جو کہ ایک قول کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام کا دیدار تھا' یہ حضرت یوسف علیہ اسلام کا معجزہ ارہاص تھا۔ پھر دروازوں کا از خود کھلتے جانا دوسرا معجزہ تھا' پھر بچے کا گواہی دینا یہ تیسرا معجزہ تھا جو کہ اس موقع پر ظاہر ہوا۔ ان معجزات کے تسلسل کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ گواہی دینے والا شیر خوار بچہ ہی تھا۔ تفسیر کا دوسرا طریقہ کہ تفسیر القرآن بالحدیث۔ اس سلسلہ میں مرفوع حدیث شریف موجود ہے کہ شیر خوار بچہ بول اٹھا کہ ان کی قمیض دیکھو۔ تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ اس مرفوع حدیث کو امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے' اسی طرح ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔

امام حاکم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ حدیث شیخین امام بخاری وامام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

متقدمین میں سے علامہ طیبی نے بچے کی گواہی کا انکار فرمایا ہے جبکہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمہ نے اس کا تسلی بخش جواب مرحمت فرما دیا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے احادیث طیبہ سے گیارہ حضرات کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے اپنے بچپنے میں کلام فرمایا۔

جبکہ دوسرے قول کہ "گواہی دینے والا ایک مرد تھا" کے متعلق کوئی مرفوع حدیث موجود نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت ہے جب کہ انہیں سے مرفوعاً بھی اور موقوفاً بھی بچہ کی گواہی منقول ہے۔

جب مرفوع صحیح روایت مل جائے تو دوسرا احتمال یقیناً مرجوع قرار پائے گا۔ معتزلہ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت اور ان کے معجزات سے چڑ رکھتے تھے اس لئے وہ عقلیات کے گھوڑے دوڑانے میں اپنی کامیابی سمجھتے تھے۔

جبکہ امام رازی علیہ الرحمہ نے ذکر فرمایا کہ جبائی معتزلی نے بچے کی بجائے مرد کی گواہی کو ثابت کرنے میں بڑا زور لگایا ہے۔

تفہیم القرآن اور شاہد سیدنا یوسف علیہ السلام:

ماضی قریب میں اپنی قلمکاری کے زور پر اپنا لوہا منوانے والے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ہاتھ کی صفائی میں بڑی مہارت رکھتے تھے مثلاً کسی مسئلہ میں فریق مخالف کے دلائل کا جواب دیئے بغیر اپنی ہی بات کرتے چلے جانا ناانصافی کے زمرہ میں آتا ہے' اسی طرح صحیح وصریح احادیث کا ذکر گول کر دینا تو ان کے لئے کوئی بھی مشکل نہیں مثلاً غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (پارہ ۱، سورہ فاتحہ، آیت ۷) کی تفسیر میں اور متعدد صحیح احادیث کا نام تک نہ لینا اور پردے ہی پردے میں یہود و نصاریٰ کو مذمت سے ڈھال فراہم کرنا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے شاہد کے سلسلہ میں انہوں نے معتزلی جبائی کا قول اختیار کیا ہے بلکہ جبائی معتزلی کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں کیونکہ وہ بچے کی گواہی کی نسبت مرد کی گواہی کو اولیٰ قرار دیتا ہے جب کہ مودودی صاحب تو بچے کی گواہی کو ناقابل قبول قرار دیتے ہیں۔ قارئین محترم مولانا مودودی کی تفسیر کا جائزہ انشاء اللہ

تعالیٰ وقتاً فوقتاً پیش کیا جائے گا سردست آیہ کریمہ زیر نظر کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

اس سے معاملہ کی نوعیت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ صاحب خانہ کے ساتھ خود اس عورت کے بھائی بندوں میں سے بھی کوئی شخص آ رہا ہوگا اور اس نے یہ قضیہ سن کر کہا ہوگا کہ جب یہ دونوں ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہیں اور موقع کا گواہ کوئی نہیں ہے تو قرینہ کی شہادت سے اس معاملہ کی یوں تحقیق کی جا سکتی ہے۔ بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ شہادت پیش کرنے والا ایک شیر خوار بچہ تھا جو وہاں پنگھوڑے میں لیٹا ہوا تھا اور خدا نے اسے گویائی عطا کر کے اس سے یہ شہادت دلوائی' لیکن روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور نہ اس معاملے میں خواہ مخواہ معجزے سے مدد لینے کی کوئی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے۔ اس شاہد نے قرینے کی جس شہادت کی طرف توجہ دلائی ہے وہ سراسر ایک معقول شہادت ہے اور اس کو دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ایک معاملہ فہم اور جہاندیدہ آدمی تھا جو صورت معاملہ سامنے آتے ہی اس کی تہہ کو پہنچ گیا' بعید نہیں کہ وہ کوئی جج یا مجسٹریٹ ہو۔ مفسرین کے ہاں شیر خوار بچے کی شہادت کا قصہ دراصل یہودی روایات سے آیا ہے۔ ملاحظہ ہو اقتباسات تلمود از پال اسحاق پرشون لندن ۱۸۸۰ء صفحہ ۲۵۶، تفہیم القرآن جلد دوم ۳۹۵۔

مولانا مودودی کی تحقیق کا محور:

مولانا مودودی صاحب کا انداز بیان ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں کہ صاحب خانہ کے ساتھ خود اس عورت کے بھائی بندوں میں سے کوئی شخص آ رہا ہوگا اور اس نے

یہ قضیہ سن کر کہا ہوگا۔ اس عبارت میں یہ کہنا۔ آ رہا ہوگا۔ کہا ہوگا۔ واضح کر رہا ہے کہ مولانا مودودی کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے کہ وہ گواہی دہندہ کوئی جہاندیدہ آدمی تھا۔ جب کہ آگے لکھ رہے ہیں کہ یہ شخص ایک معاملہ فہم اور جہاندیدہ آدمی تھا۔

ایک طرف آ رہا ہوگا اور سن کر کہا ہوگا' مشکوک گفتگو ہے' اور دوسری طرف ایک معاملہ فہم اور جہاندیدہ آدمی تھا' یقینی کلام ہے۔ کیا یہ محض مودودی کے ہاتھ کی صفائی میں نہیں کہ چند سطر پہلے ظنی کلام کر کے اسی کو یقین سے بدل گئے ہیں' کیا تحقیق کی بنیاد ایسے شکیہ کلام پر ہوتی ہے۔ یاللعجب۔

مولانا مودودی کا انکارِ حدیث:

بچہ کا پنگھوڑے میں لیٹے ہوئے گواہی دینے کا تمام مُفَسِّرِین نے ذکر فرمایا ہے اور صحیح حدیث سے اثبات فرمایا ہے۔ جب کسی آیت کی تفسیر میں صحیح حدیث مل جائے تو دوسری بات کرنا ہی مناسب نہیں ہے۔ گذشتہ صفحات پر صحیح حدیث باحوالہ ذکر ہو چکی ہے' اس کے برخلاف مولانا مودودی لکھتے ہیں۔ پنگھوڑے والے بچے کی شہادت و گواہی نہ تو کسی سند سے ثابت ہے اور نہ اس معاملے میں خواہ مخواہ معجزے سے مدد لینے کی کوئی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ صحیح حدیث کے متعلق یہ لکھنا کہ کسی سند سے ثابت نہیں' یہ مولانا کی خانہ زاد حدیث فہمی کا اثر ہے۔ مفسر ابن جریر نے اپنی صحیح سند سے یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو محدث امام حاکم نے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا کہ نہ تو کسی سند سے ثابت ہے۔ درحقیقت حدیث شریف کا انکار ہے جو کسی صالح ترین شخصیت کے ہی لائق مناسب ہے۔

مولانا مودودی کا ظُلم عظیم:

مولانا مودودی نے پہلے تو حدیث کا انکار کر دیا' جس سے ان کی تسکین نہ ہوئی تو یوں گوہر افشانی فرمانے لگے۔ نہ اس معاملے میں خواہ مخواہ معجزے سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ واضح ہو کہ معجزہ خواہ مخواہ نہیں ہوتا' وہ تو عظمت نبوت کی برہان ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں ایمان راسخ کرنے کا سامان ہوتا ہے۔ اگر کسی صالح ساز ہستی کو معجزہ خواہ مخواہ نظر آتا ہے تو ہم صرف اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ہی پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث سے جب معجزہ ثابت ہو جائے تو پھر بھی انکار کرتے چلے جانا محض شیطانی بہکاوا ہی ہو سکتا ہے نہ کہ حقیقت واقعی۔

مولانا مودودی کی خود پسندی کی معراج:

مولانا مودودی نے جب حدیث شریف پر حملہ کر کے اپنی بات بنتی ہوئی دیکھی تو شرم و حیاء، بے نیازی اختیار کرتے ہوئے فرما گئے۔

مفسرین کے ہاں شیر خوار بچے کی شہادت کا قصہ دراصل یہودی روایات سے آیا ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم

ایک طرف صحیح اور مرفوع حدیث شریف موجود ہو اور عظمت نبوت کو اجاگر بھی کر رہی ہو' مزید براں تمام مفسّرین اسے نقل بھی فرما رہے ہوں تو اسے یہودی روایت کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی کے ذہن پر یہودیت اپنے پنجے گاڑ چکی ہو اور وہ شخص سورہ فاتحہ کے الفاظ



غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

کی تفسیر میں وارد مُتعدّد احادیث طیبہ سے ہٹ کر تفسیر کرنے سے گریز نہیں کرتا تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معجزہ کو خواہ مخواہ کہہ دے۔ آ رہا ہوگا۔ کہا ہوگا۔ پر اپنے مزعومہ مفہوم کی بنیاد رکھے اور صحیح حدیث کو یہودی روایت قرار دے تو ہم اسے خود پسندی کا نام ہی دے سکتے ہیں اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سورہ یٰسین کے فضائل



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (پارہ ۲۲، سورہ یٰس، آیت نمبر ۱ تا ۵)

ترجمہ: یٰسین حکمت والے قرآن کی قسم بے شک تم سیدھی راہ پہ بھیجے گئے ہو عزت والے مہربان کا اتارا ہوا۔

سورۃ یٰسین کی فضیلت:

سورہ یٰسین کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہیں۔

پہلی حدیث شریف:

علامہ سیّد محمود آلوسی علیہ الرحمہ متوفی ۱۲۷۰ء فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث میں آتا ہے جسے امام احمد، امام ابوداؤد اور امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام طبرانی اور دیگر حضرات نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

يٰسٓ قَلْبُ الْقُرْاٰنِ

کہ سورۃ یٰسین قرآن عزیز کا دل ہے۔

اور قلب القرآن کو اس سورہ کا نام شمار فرمایا ہے

(تفسیر روح المعانی ج ۲۲۔ ص ۵۲۲)

علامہ آلوسی نے اس حدیث کے آغاز میں ہی فرمایا ہے کہ صَحَّ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ۔ امام احمد وغیرہ سے صحیح روایت منقول ہے۔

شیخ الاسلام منذری متوفی ۶۵۶ء اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔



رواہ' احمد و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ والحاکم و صححہ

اس کو روایت کرنے والے امام احمد۔ ابوداؤد' الترغیب ج ۲ ص ۲۴۶' نسائی' ابن ماجہ اور امام حاکم ہیں۔ امام حاکم اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث قلب القرآن کو مفسرین کرام نے بڑے ذوق اور وثوق سے نقل فرمایا ہے۔ فقیر کے پاس موجود تفاسیر

☆ تفسیر کبیر از امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ
☆ تفسیر بیضاوی از امام ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۹۱ء
☆ تفسیر ابن کثیر از علامہ عماد الدین اسماعیل بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ء
☆ تفسیر صاوی از عارف باللہ علامہ صاوی مالکی علیہ الرحمہ متوفی تفسیر روح المعانی
☆ از علامہ سیّد آلوسی بغداد متوفی ۱۲۷۰ء
☆ تفسیر روح البیان از علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ء
☆ تفسیر حقانی از علامہ عبدالحق حقانی دہلوی متوفی
☆ تفسیر مظہری از علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ء
☆ تفسیر نسفی از علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی متوفی ۷۱۰ء
☆ تفسیر خزائن العرفان از صدر الافاضل سیّد نعیم الدین مراد آبادی متوفی
☆ تفسیر نور العرفان از حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار نعیمی متوفی

اور دیگر مفسرین نے بھی اس حدیث شریف کو نقل فرمایا ہے کہ سورۃ یٰسین قرآن عزیز کا (دھڑکتا ہوا) دل ہے۔ اور تو اور ہے صحیح و صریح احادیث کی روگردانی کر کے من مانی تفسیر کرنے کے ماہر مفسر سیّد ابوالاعلیٰ مودودی متوفی نے بھی سورۃ یٰسین کی فضیلت میں اس روایت کو درج کیا ہے۔

قلب القرآن کی وجہ تسمیہ:

علامہ آلوسی بغدادی روح المعانی میں ذکر فرماتے ہیں کہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی علیہ الرحمہ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ایمان وصحت ایمان کا دارومدار حشرو نشر کے اعتراف پر ہے جسے اس سورہ مبارکہ میں احسن وابلغ انداز میں ثابت کیا گیا ہے' اسی بنا پر اسے دل سے تشبیہ دی گئی ہے کہ بدن کا صحیح وقائم ہونا دل پر موقوف ہے۔

نیز اس کے قلب قرآن ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس سورہ مبارکہ میں اعمال ظاہری کی بجائے اصول ثلاثہ' رسالت' توحید' اور حشر کو بیان کیا گیا جن کا تعلق دل کے ساتھ ہے' لہٰذا اعمال قلب پر مشتمل سورہ کو بھی قرآن پاک کا قلب ہی کہنا چاہیئے۔

دوسری حدیث شریف:

حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ قَلْبًا وَ قَلْبُ الْقُرْاٰنِ یٰسٓ وَ مَنْ قَرَاَ یٰسٓ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِقِرَاءَتِہَا قِرَاءَۃَ الْقُرْاٰنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ

کہ ہر شے کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یٰسین ہے' جو شخص سورۃ یٰسین پڑھے گا اس کے حق میں دس بار قرآن عزیز پڑھنے کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔

(ترمذی شریف ج ۲۔ ص ۱۱۲، ابواب فضائل القرآن، مشکوٰۃ ص ۱۸۷)

امام ترمذی علیہ الرحمہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے' اس میں ایک راوی ہارون ابو محمد شیخ مجہول ہیں۔ واضح رہے کہ فضیلت میں وارد ایسی حدیث قابل قبول ہوتی ہیں۔

تیسری حدیث شریف:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ قَرَءَ یٰسٓ فِیْ لَیْلَۃٍ اَصْبَحَ مَغْفُوْرًا لَّہٗ وَمَنْ قَرَءَ حٰمٓ الَّتِیْ یُذْکَرُ فِیْہِ الدُّخَانُ اَصْبَحَ مَغْفُوْرًا

کہ جو شخص رات کو سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتا ہے اسے بخش دیا جاتا ہے۔ جو شخص حم سورۃ کی تلاوت کرتا ہے جس میں دخان کا ذکر ہے تو وہ بھی بخش دیا جاتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳۔ ص ۵۶۳)

علامہ ابن کثیر دمشقی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: اسنادہ جید'' کہ اس کی سند جید ہے۔

چوتھی حدیث شریف:

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ قَرَءَ یٰسٓ فِیْ لَیْلَۃِ الْبَیْضَاءِ لِوَجْہِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ غُفِرَلَہٗ

کہ جو شخص رات کو رضائے الٰہی کی غرض سے سورہ یٰسین کی تلاوت کرتا ہے اسے بخش دیا جاتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر بحوالہ صحیح ابن حبان، الترغیب والترہیب جلد ۲، ص ۶۳۷)

پانچویں حدیث شریف:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

البقرة سنام القرآن و خرورنه نزل مع سمل آية منها ثمانون ملكا واستخرجت الله لا اله الاهو الحي القيوم من تحت العرش فوصلت بها او فوصلت بسورة البقره ويٰس قلب القرآن لا يقوء ها اهل يريد الله تعالىٰ والدار الآخرة الدغفرله و اقرؤهاعلى موتا كم۔

سورۂ بقرہ قرآن پاک کی کوہان اور چوٹی ہے اس کی ہر آیت کے ساتھ اسی (۸۰) فرشتے نازل ہوئے ہیں اور آیۃ الکرسی عرش کے نیچے (خاص خزانے) سے لا کر اس یعنی سورہ بقرہ سے ملادی گئی ہے اور سورہ یٰسین قلب قرآن ہے، جو آدمی بھی اسے محض اللہ تعالیٰ اور دارِ آخرت کی غرض سے پڑھے گا اسے بخش دیا جائے گا اور اسے تم اپنے فوت ہونے والوں پر پڑھو۔ (یعنی قریب المرگ لوگوں پر)

(مسند امام احمد بن حنبل حدیث شریف ۲۰۵۶۲، الترغیب والترہیب جلد ۲، ص ۲۳۶)

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس حدیث شریف کو حضرت امام نسائی نے عمل الیوم واللیۃ میں ذکر فرمایا ہے۔

چھٹی حدیث شریف:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قدر روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

اِقْرَءُوْهَا عَلٰی مَوْتَاكُمْ يَعْنِي يٰسٓ

کہ اس سورۃ یعنی یٰسین کو اپنے فوت ہونے والوں (قریب المرگ لوگوں) پر پڑھو۔ (مسند امام احمد بن حنبل حدیث شریف ۲۰۵۶۷۔۲۰۵۸۰، مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن، تیسری فصل)

واضح ہو کہ سورۃ یٰسین کی فضیلت میں وارد احادیثِ طیبہ کو تقریباً تمام مفسرین نے نقل فرمایا ہے۔ بعض سند کے لحاظ سے ضعیف اور بعض صحیح و جید ہیں، جبکہ فضیلت میں وارد حدیث محدثین کے نزدیک بالاتفاق قابل قبول ہوتی ہے۔ اگر تفصیل مطلوب ہو تو امام اہلسنت شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ، متوفی ۱۳۴۰ھ کا رسالہ مبارکہ منیر العنین فی حکم تقبیل الابہامین مشمولہ فتاویٰ رضویہ شریف ۴۲۹۔۶۵۶ ج ۵ ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ انہیں احادیث کی بنا پر بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ یہ بات اس سورۃ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اسے جس مشکل کام میں پڑھا جائے اللہ تعالیٰ اسے آسان فرما دیتا ہے اور اسے قریب المرگ پر اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ اس پر رحمت و برکت نازل ہو اور اس کی روح آسانی کے ساتھ پرواز کر جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ بواسطہ ابوالمغیرہ حضرت صفوان علیہ الرحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ مشائخ کرام کا ارشاد ہے کہ قریب المرگ پر سورہ یٰسین پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ معاملہ آسان فرما دیتا ہے۔

ساتویں حدیث شریف:

حبر الامۃ سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

لَوَدِدْتُ اَنَّهَا فِيْ قَلْبِ كُلِّ اِنْسَانٍ

کہ میں چاہتا کہ سورہ یٰسین میرے "مِنْ اُمَّتِيْ يَعْنِيْ يٰسٓ" ہر امتی کے دل میں ہو کہ اسے یاد ہو۔ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ مسند بزار)

حکایت:

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں بیمار ہو گیا تو اس دوران مجھ پر اس قدر غشی طاری ہوگئی کہ مجھے مردہ سمجھنے لگے' اس دوران میں نے ایک قوم کو دیکھا' ان کے چہرے بھیانک اور شکلیں قبیح تھیں' وہ مجھے تکلیف پہنچانا چاہتی تھی تو سب نے ایک خوبصورت' صحت مند' توانا شخص کو دیکھا جس کے جسم سے خوشبو آ رہی تھی اس نے ان لوگوں کو دور کر دیا یعنی کہ ان پر غالب آ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں سورہ یٰسین ہوں' اس تکلیف کو دور کرنے آئی ہوں۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے والد گرامی میرے سرہانے بیٹھے رو رہے تھے اور سورہ یٰسین کی تلاوت فرما رہے تھے' جب وہ ختم کر چکے تو میں نے اپنا مشاہدہ عرض کر دیا' اس واقعہ سے ایک عرصہ بعد مجھ تک یہ حدیث شریف پہنچی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

اِقْرَءُوْهَا عَلٰی مَوْتَاكُمْ

کہ تم سورہ یٰسین ان لوگوں پر پڑھو جن کی موت قریب آ گئی ہے۔

(تفسیر روح البیان ص ۵۱۰۔ ج ۷ مطبوعہ بیروت)

ان حدیث طیبہ سے واضح ہو گیا کہ یہ سورہ مبارکہ برکات کثیرہ کی حامل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے مشائخ کے معمولات میں اس کا ورد چلا آ رہا ہے اور خواص کے علاوہ عوام بھی بکثرت اس کی تلاوت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ مساجد میں موجود قرآن عزیز کے نسخے دیکھو تو سورہ یٰسین کے اوراق بتاتے ہیں کہ ان اوراق کی کثرت سے تلاوت کرنے سے یہ اوراق بوسیدہ ہو رہے ہیں جب کہ دیگر اوراق ان کی بہ نسبت نئے

معلوم ہوتے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں رمضان المبارک میں جب لوگ قرآن عزیز کی بکثرت تلاوت کرتے ہیں تو ان کو دیکھا جا سکتا ہے کہ سورہ یٰسین شریف ضرور تلاوت فرماتے ہیں۔ فقیر غفرلہ اللہ العزیز کے استاذ گرامی، استاذ العلماء علامہ سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ حاصلانوالہ شریف ضلع منڈی بہاؤالدین نے فقیر سے ارشاد فرمایا کہ جب میں تہجد میں اس سورہ مبارکہ کی تلاوت کرتا تھا تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ دیگر سلاسل کے علاوہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ کرام کے معمولات میں یہ قلب الوظائف کا درجہ رکھتی ہے۔

دارالمعارف ملفوظات حضرت قبلہ شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ المتوفی ۱۲۴۰ھ میں لکھا ہے کہ زاہدوں کے سرمایہ افتخار شیخ محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ نماز تہجد میں ساٹھ (۶۰) مرتبہ سورہ یٰسین پڑھتے تھے۔ (فیض نقشبند ترجمہ دارالمعارف ص ۱۱۸)

اسی کتاب میں حضرت شاہ رؤف احمد رافت مجددی علیہ الرحمہ المتوفی ۱۲۵۳ھ اپنے شیخ کامل' مجدد وقت' حضرت شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمہ کے ارشادات میں لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ گلشن رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں حضرت قیوم زماں، قبلہ عالم خواجہ محمد زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ مسند ارشاد وہدایت کو اُن کے وجودِ مسعود سے زینت مل رہی تھی۔ آپ صاحب عبادت کثیرہ تھے۔ نماز مغرب کے بعد صلوٰۃ اوابین پڑھتے اور اس کے اندر قرآن کریم کے دس (۱۰) پاروں کی قرأت کرتے' اس کے بعد لوگوں کا حلقہ قائم کر کے توجہ فرماتے۔ آدھی رات کے وقت چند ساعت استراحت فرماتے اور تہجد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ نماز تہجد میں چالیس یا ساٹھ بار سورہ یٰسین پڑھتے' اس کے بعد چاشت تک (نماز فجر کے علاوہ) مراقبے میں وقت بسر کرتے' اس کے بعد لوگوں کا حلقہ کرتے' سارا دن توجہ ڈالتے اور مخلوق خدا کو ہدایت کرنے میں گزار دیتے'

اس کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے اور پھر نماز فی الزوال کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے
اور اسے لمبی قرأت کے ساتھ چار گھڑی میں ادا فرماتے۔ اس کے بعد ختم خواجگان پڑھ
کر نماز ظہر ادا کرتے' اس کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کر کے کھانا تناول فرماتے کیونکہ
فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے کا وقت یہی تھا۔ نماز عصر کے بعد مشکوٰۃ
شریف یا مکتوبات امام ربانی سے درس ہوتا اور جب دولت خانے سے مسجد میں تشریف
لاتے تو امراء اپنے دوشالے اور رومال آستانے سے مسجد تک بچھا کر فرش بنا دیتے تا کہ
قدم مبارک زمین پر نہ پڑیں' اور اگر کسی مریض کی عیادت کرنے یا کسی کی دعوت قبول فرما
کر سواری پر جاتے تو ان کی سواری بادشاہوں کی طرح جلوہ گر ہوتی۔

ایک روز یہ خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ سوار ہو کر جامع مسجد دہلی کے قریب سے
گزر رہے تھے اور حضرت شاہ گلشن رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک شخص پالکی میں سوار
ہے اور کتنی ہی پالکیاں اس کی رکاب میں ہیں' ایک پورا مجمع غلامانہ انداز میں اس کی پالکی
کے آگے پیچھے ہے اور اس پالکی پر انوار اس طرح محیط ہیں کہ گویا پالکی سے آسمان تک نور
کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں' حضرت شاہ گلشن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی پرانی گدڑی
سر سے اتار پھینکی اور یاروں سے کہنے لگے کہ اسے جلا دو۔ لوگ عرض گزار ہوئے کہ اس
حکم کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: یہ جو سوار جا رہا ہے اس کی سواری (شانِ امارت جو بظاہر
محسوس ہوتی تھی) میں اتنا نور ہے کہ میں نے اپنی گودڑی میں اس کا معمولی حصہ بھی
مشاہدہ نہیں کیا حالانکہ تیس (۳۰) سال اس گودڑی کے ساتھ ریاضت میں بسر کئے ہیں
۔ ایک شخص عرض گزار ہوا کہ یہ حضرت محمد زبیر ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ الحمد للہ یہ تو
میرے پیرزادے ہیں' میری آبرو رہ گئی' اور اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت قبلہ عالم
کی خدمت میں استفادہ کی غرض سے جائیں اور جہاں وہ تشریف رکھیں وہاں کسی کو

مرید کرنا میرے لئے جائز نہیں ہے۔ (فیض نقشبند ترجمہ دار المعارف ص ۱۷۱۔۱۷۰)

ان احادیث طیبہ، ارشادات عالیہ، معمولات مشائخ کرام اور عوام الناس کی
رغبت سے واضح ہو گیا کہ سورہ یٰسین شریف کس قدر برکات کی حامل ہے۔

اس تصفیہ قلب وتزکیہ نفس، حلِ مشکلات' سلامتی ایمان' ترقی درجات' جانکنی
سہولت اور سامانِ آخرت کیا کیا کمال رکھتی ہے حتی کہ اس بات کی چنداں ضرورت ہی
نہیں کہ لوگوں کو ترغیب دلائی جائے کہ اس سورہ مبارکہ کی بکثرت تلاوت کیا کرو کیونکہ ہر
مومن کے دھڑکتے دل میں اس کی عظمت پہلے ہی سے موجود ہے۔

غیر مقلدین کا نامعقول رویہ:

اہل علم واصحاب مطالعہ شدہ غور فرمائیں کہ اہلحدیث کا معنی ومفہوم اور مصداق
کیا ہے؟ کیا ناخواندہ حضرات کو اہلحدیث کہنا یا معمولی سوجھ بوجھ والے کو اہلحدیث
کہلوانا درست ہے یا نہیں؟ یا حدیث شریف کے ترجمہ وعبارت پڑھنے کی صلاحیت
رکھنے والے کو اہلحدیث تسلیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ خیر یہ ایک تفصیل طلب بات ہے البتہ
برصغیر میں موجود جو حضرات اہلحدیث کہلواتے ہیں ان کی اصلیت اور حقیقت کا
جاننا ضروری ہے کہ وکیل وہابیہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے انگریز حکومت کو خوش کرنے
کے کئی جتن کرنے کے بعد درخواست پیش کی کہ انہیں اہلحدیث کا نام الاٹ کیا جائے تو
انگریز سرکار نے ان کی برخورداری' فرمانبرداری' جہاد سے دست برداری اور کفار دوستی
کے صلے میں انہیں اہلحدیث کا نام الاٹ کر دیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں شرف
اہلسنت علامہ عبدالحکیم شرف قادری زیدہ مجدہ کی لاجواب تصنیف۔ شیشے کے گھر۔

جبکہ امت مسلمہ اس گروہ کو وہابیہ، نجدیہ اور غیر مقلدین کے نام سے یاد کرتی

چلی آ رہی ہے۔ نیز مطالعہ کتب سے یہ بات روز روشن ہے کہ انگریز کی الاٹ منٹ سے قبل کی کتابوں میں اہلحدیث کا نام نہیں ملتا' بعد میں ملتا ہے' تو واضح ہو گیا کہ یہ طبقہ اہلحدیث کا لفظ استعمال کرتے ہوئے اہل اسلام کو دھوکہ دے رہا ہے۔

درحقیقت یہ لوگ ہر وہ بات کرتے اور لکھتے ہیں جس میں مسلمانوں میں ہلچل مچے اور اضطراب وارتعاش کی کیفیت ہو اور لوگ ایک نئی بات سن کر متوجہ ہوں کہ ہم کیا سمجھتے اور سنتے چلے آئے ہیں اور یہ کیا کہہ رہا ہے۔

یہ بعینہ وہی طریقہ ہے کہ ایک شخص نے کہا: کتا حلال ہے۔ جس سے لوگوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی' وہ شخص مناظرہ بازی کیلئے کمر بستہ ہو گیا۔ جب کافی شور پڑنے پر اہل بصیرت نے اسے سمجھایا کہ یہ تو کیوں کہتا ہے' کیا تجھے مسئلہ معلوم نہیں ہے' اس نے کہا کہ ہم کو اس کی حرمت کا یقین ہے مگر میرا مقصد تو صرف اس قدر ہے کہ ایک نیا شوشہ چھوڑ کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکوں۔ سو یہ مقصد حاصل ہو گیا ہے۔

یہی حال غیر مقلدین کا ہے کہ آئے دن نئی بات کرنا' نیا شوشہ چھوڑنا اور اہل ایمان کے ہمیشہ سے چلے آنے والے معمولات کو ہدف تنقید بنا کر اپنے کلیجے ٹھنڈے کرنا اور پھر تفصیل دریافت کرنے پر چپ کا روزہ رکھ لینا ان کے معمولات شریف میں داخل ہے۔

تازہ مثال:

ان کے اس معمول شریف کی تازہ مثال حاضر خدمت ہے کہ ان کے مجلہ الدعوہ ۱۴۲۷ھ کے محرم الحرام کے شمارے میں انہوں نے لکھا کہ حدیث شریف

مَنْ وَسَّعَ عَلٰی عَیَالِہٖ فِی النَّفَقَةِ یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَسَّعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَآئِرَ سَنَتِہٖ جو شخص عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال پر کھلا خرچ کرے' اللہ تعالیٰ اس کو

سارا سال فراخی عطا فرماتا ہے۔ (مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ، تیسری فصل) کو جھوٹی اور من گھڑت لکھا۔ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جناب آپ نے غلط بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اشتہار شائع ہوا جس کا عنوان تھا' الدعوۃ کی تازہ حدیث دشمنی' جس کا آخری حصہ یہ تھا۔

اس مذکورہ حدیث شریف کو من گھڑت اور جھوٹی کہنا ان لوگوں کی سراسر زیادتی ہے اور حدیث شریف پر انتہائی ناپاک حملہ اور پرلے درجے کی جسارت ہے' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام امام زکی الدین منذری علیہ الرحمۃ متوفی ۶۵۶ھ نے اس حدیث شریف کو الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۷۱ پر ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث شریف مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۰ پر بھی موجود ہے۔ مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں اس پر جاندار تبصرہ موجود ہے۔ ہم مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کی عبارت اور ترجمہ نقل کرتے ہوئے پڑھنے والوں سے عرض گزار ہیں کہ حدیث شریف کو دیکھو' پرکھو اور معیار حدیث پر اسے تولو' پھر ان لوگوں کی ناپاک حرکت کو ملاحظہ فرماؤ کہ ایک ثابت شدہ حدیث کو من گھڑت اور جھوٹی کہنے والے لوگ کتنے بدباطن ہیں کہ جنہیں حدیث شریف پر حملہ کرتے وقت نہ خوف خدا جل وعلا یاد آتا ہے اور نہ ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرم وحیا، فتنہ پرستی، گروہ بندی اور مذہبی تعصب سے دل کو صاف کرتے ہوئے حدیث شریف اور اس سند پر گفتگو ملاحظہ ہو۔

و عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من وسع علی عیالہ فی النفقة یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنتہ قال سفیان انا قد جربناہ فوجدناہ کذلک رواہ رزین و روی البیہقی فی شعب الایمان عنہ و عن ابی ہریرۃ و ابی سعید و جابر و ضعفہ۔

عن المنذری فی الترغیب ان ہذا الحدیث رواہ البیہقی من

طرق و عن جماعة من الصحابة وقال هذه الأسانيد و ان كانت ضعيفة فهي اذا ضم بعضها الى بعض احدثت قوة اه قال العراقي له طرق صحح بعضها و بعضها على شرط مسلم۔

ترجمہ :۔ علامہ محدث مبرک امام منذری کی ترغیب سے نقل کرتے ہیں کہ اس حدیث کو بیہقی نے کئی طریقوں (سندوں) سے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے اور فرمایا کہ یہ سندیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان کے آپس میں ملنے سے ان میں قوت پیدا ہوگئی ہے انتہی، محدث عراقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کئی سندیں ہیں بعض سندوں کو صحیح قرار دیا گیا ہے اور بعض سندیں مسلم شریف کی شرط پر ہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (ج ۴ ص ۲۱۷)

ان کے ذمہ دار حضرات کو اشتہار پہنچا' فون پر جواب کا تقاضا کیا گیا مگر اب پھر محرم قریب آ لگا ہے مگر حدیث کے مدعیان کو حدیث شریف کی توثیق و تحقیق کی توفیق نہیں ہوگی' یہ ایک جھلک ہے ورنہ ایسی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ ان مدعیان حدیث نے جس قدر جسارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کتب احادیث سے احادیث شریفہ کو نکالنا اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے جس پر فقیر صرف ایک حدیث شریف پر اکتفا کرتے ہوئے باقی گفتگو دوسرے موقع پر اٹھا رکھتا ہے' وہ حدیث شریف یہ ہے۔

سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ يَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ

کہ وہ (بہت لمبی لمبی نمازیں پڑھنے، بہت زیادہ روزے رکھنے والے' قرآن پاک بڑی لے سے پڑھنے والے) لوگ کم عقل بے وقوف ہوں گے' حدیث والے کہلائیں گے۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۴۲)

آمدم برسرِ مطلب:

تمہیدی کلمات زیادہ طول اختیار کر گئے اصل مقصد پیش خدمت کر رہا ہوں کہ سعودی حکومت حجاج کرام کو واپسی پر مترجم قرآن پاک بطور تحفہ پیش کرتی ہے جس میں ترجمہ مولوی محمد میمن جونا گڑھی کا ہے اور تفسیری حواشی مولوی صلاح الدین یوسف کی ہیں۔

مولوی محمد میمن جونا گڑھی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ کرتے وقت آیۂ کریمہ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ (پارہ ۹، سورہ الاعراف آیت نمبر ۱۷۵) کی تفسیر میں درج ایک حدیث کے ترجمہ میں سولہ جھوٹ بولے ہیں۔ فقیر نے شرح حدیث نجد میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے مگر کسی بھی مدعی حدیث کو وضاحت کی توفیق نہیں ہوئی۔

دوسرے شخص مولوی صلاح الدین یوسف کی کارگزاری ملاحظہ ہو' سورہ یٰسین شریف کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سورہ یٰسین کے فضائل میں بہت سی روایات مشہور ہیں مثلاً یہ کہ قرآن کا دل ہے' اسے قریب المرگ شخص پر پڑھو وغیرہ لیکن سند کے لحاظ سے کوئی روایت بھی درجہ صحت کو نہیں پہنچتی' بعض بالکل موضوع ہیں یا پھر ضعیف ہیں' قلب قرآن والی روایت کو شیخ البانی نے موضوع قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ حدیث ۱۴۹)

سعودی حکومت کی طرف سے تقسیم ہونے والا قرآن پاک مع ترجمہ وتشریح ۱۴۳۲ھ قارئین محترم آپ اس اقتباس کو بار بار بغور ملاحظہ فرمائیں کہ مولوی صاحب سورہ یٰسین سے کس قدر بغض ہے' جس کی جلن نے ان کے دماغ کو ماؤف کر کے رکھ دیا ہے۔

اس مضمون میں درجہ حدیث شریف طیبہ کے متعلق علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اسنادہ جید' کہ اس کی سند جید ہے۔

(تفسیر ابن کثیر سورہ یٰسین شریف ص ۵۶۳۔ ج ۳ مطبوعہ بیروت)

فقیر نے صرف ایک حدیث کے متعلق ابن کثیر کا حوالہ دیا ہے جس سے نام نہاد اہلحدیث کی حدیث فہمی کی کلی کھل جاتی ہے مولوی صاحب کس ڈھٹائی اور لا پروائی کے ساتھ کہہ رہے ہیں۔

کوئی روایت بھی درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ مولوی صلاح الدین یوسف' اسی طرح دیگر احادیث جو کہ صحاح ستہ میں موجود نہیں ان کو بیک جنبش قلم ضعیف کہہ دینا کسی باحیا کو زیب نہیں دیتا۔

بالخصوص قلب القرآن والی روایت کو موضوع کہنا' سراسر ظلم اور قبیح ترین بددیانتی ہے' کیونکہ اس قلب قرآن والی روایت کو تقریباً ہر مفسر نے بطور فضیلت ذکر کیا ہے' بالخصوص وہابیہ کے من پسند مفسر علامہ ابن کثیر نے اسے ذکر کیا ہے اس کو سند ضعیف تو لکھا ہے مگر موضوع قرار نہیں دیا۔

ایک نیا انکشاف:

بندۂ ناچیز کا ایک علمی مشغلہ یہ بھی ہے کہ جس آیت یا حدیث میں عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واضح نظر آ رہی ہو اس تفسیر وتشریح کو کتب وہابیہ میں ضرور دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ کس قدر سوقیانہ انداز میں عظمت والا پہلو چھپاتے مثلاً

یُزَکِّیْکُمْ (البقرہ ۱۵۱)

یُزَکِّیْھِمْ (البقرہ ۱۲۹)



کا صاف اور صریح ترجمہ ہے' وہ رسول تمہیں پاک کرتا ہے۔

جبکہ مودودی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے' اور ان کی زندگیاں سنوارے اس طرح گربائے مساکین، تبلیغی جماعت کی حال ہی میں چھپنے والی ایک کتاب منتخب احادیث کے ص ا پر الفاظ قرآنی یزکیھم آل عمران کا ترجمہ گربۂ مسکین مولوی سعد کاندھلوی نے کیا ہے' ان کے اخلاق کو بناتے اور سنوارتے ہیں۔

یہ ایک نمونہ ہے ورنہ ایسی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ جس آیت یا حدیث میں عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجاگر ہو رہی ہو یہ لوگ اس کا ترجمہ کرنے میں اپنے ہاتھ کی صفائی ضرور دکھاتے ہیں ورنہ یُزَکِّیْھِمْ کا سیدھا اور صاف ترجمہ یہ کہ وہ تمہیں پاک کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی ترجمہ کرنا تفسیر بالرائے ہی کے زمرہ میں آتا ہے۔

مگر جب بندہ نے حجاج کرام کو ملنے والے ترجمہ وتفسیر کو پڑھا تو پتہ چلا کہ ان لوگوں کو صرف انبیاء واولیاء علیہم السلام کے کمالات سے ہی چڑ نہیں بلکہ انہیں ہر عظمت والی چیز سے چڑ ہے حتیٰ کہ یہ لوگ اپنے اس چڑ چڑے مزاج کے ہاتھوں بے بس ہو کر عظمت قرآن حکیم کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ العیاذ باللہ العظیم

سعودی فرمانروا کی خدمت میں:

بندہ ناچیز سعودی فرمانبروا کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

خادم الحرمین شریفین کو چاہئے کہ وہ کسی غیر متعصب' دیانتدار' متقی' جید عالم سے ترجمہ وتفسیر کروا کر شائع فرمائیں اور لوگوں کو بطور تحفہ دے کر اہل اسلام کے شکریہ کے

مستحق بنیں۔ان غیر مقلدین کا ترجمہ اوران کی تفسیر آپ کی حکومت کے متعلق یہ بدگمانی پیدا کرتی ہے کہ سعودی حکومت فرقہ واریت کی ترویج میں ان کی سرپرستی کر رہی ہے جب کہ عین ممکن ہے کہ خادم الحرمین شریفین کے مزاج کے سراسر خلاف ہو۔

والعلم عند اللہ تعالیٰ

دُعا کا معنیٰ مفہوم اور اہمیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (پارہ ۲، سورہ البقرہ، آیت ۱۸۶)

ترجمہ: اور اے میرے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں' دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے' تو انہیں چاہیئے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ راہ پائیں۔

(ترجمہ: از کنزالایمان۔ امام احمد رضا قدس سرہ)

شانِ نزول:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَقَرِيْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيْهِ اَمْ بَعِيْدٌ فَنُنَادِيْهِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

مسلمانوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہمارا رب قریب ہے تو ہم اس سے سرگوشی کریں یا بعید ہے تو ہم اس کو ندادیں' پکاریں' تو اس پر یہ آیت کریمہ اجیب دعوۃ الداع نازل ہوگئی۔ (روح المعانی زیر آیہ مذکورہ)

دعا کا معنی اور مفہوم:

دعا کے معنی ہیں طلب کرنا۔ دَعَا اِلَى الشَّيْءِ کا مطلب ہے کسی کام پر ابھارنا "دعوتُ فلانًا" کے معنی ہیں کہ میں نے فلاں سے سوال کیا' اس سے مدد طلب کی۔ لفظ دعا کبھی بلندی مرتبہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن عزیز میں ہے۔

لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ

(پارہ ۲۴، سورہ المومن، آیت نمبر ۴۳)

اسے بلانا کسی کام کا نہیں' دنیا میں نہ آخرت میں۔

شیخ امام ابوالقاسم قشیری شرح الاسماء الحسنیٰ میں لکھتے ہیں کہ دعا قرآن عزیز میں کئی طرح استعمال ہوا ہے۔

۱۔ عبادت کے معنی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ

(پارہ ۱۱، سورہ یونس، آیت نمبر ۱۰۶)

اور اللہ کے سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے نہ برا۔

۲۔ استغاثہ (فریاد) کرنے کے معنی پر جیسا کہ ارشاد ہوا۔

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ (پارہ ۱، سورہ البقرہ، آیت نمبر ۲۳)

اور اپنے حمایتیوں کو بلا لو۔

دعا بمعنی سوال' چنانچہ ارشاد رب العزت ہے۔

اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (پارہ ۲۴، سورہ المومن، آیت ۶۰)

مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

۴۔ دعا بمعنی قول (کہنا) اللہ جل مجدہ کا ارشاد ہے۔

دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ (پارہ ۱۱، سورہ یونس، آیت نمبر ۱۰)

ان کا قول اس میں ہوگا کہ اے اللہ تجھے پاکی ہے۔

۵۔ دعا بمعنی ندا (پکارنا) جیسا کہ قرآنِ عزیز میں ہے۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ (پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۵۲)

جس دن تمہیں پکارے گا۔

٦۔ دعا بمعنی ثناء وتعریف چنانچہ لاریب کتاب میں ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ۔ (پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱۱۰)

تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔

دُعا کی اہمیت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی ترغیب دلاتے ہوئے بکثرت احادیث طیبہ میں دعا کی اہمیت وفضیلت بیان فرمائی ہے۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰهِ مِنَ الدُّعَآءِ

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الدعوات، دوسری فصل)

کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی چیز دعا سے بڑھ کر کرامت نہیں رکھتی۔

حدیث شریف نمبر۲:

مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الدعوات، دوسری فصل)

کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا حقدار ٹھہرتا ہے۔

حدیث شریف نمبر۳:

اِنَّ الدُّعَآءَ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلْ فَعَلَیْکُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَآءِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا مَرْفُوْعًا۔

(ترمذی، احمد، مشکوٰۃ کتاب الدعوات، دوسری فصل)

کہ دعا اس مصیبت میں بھی نفع دیتی ہے جو نازل ہو چکی ہو اور جو نازل ہونے والی ہو اس میں بھی فائدہ بخشتی ہے لہٰذا اے اللہ کے بندوں تم دعا کو لازم کرلو۔

حدیث شریف نمبر۴:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَنْ یُّسْاَلَ

(ترمذی، مشکوٰۃ کتاب الدعوات، دوسری فصل)

کہ تم اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔

حدیث شریف نمبر۵:

اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (ترمذی، مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، دوسری فصل)

کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔

حدیث شریف نمبر۶:

اَلدُّعَآءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَ عِمَادُ الدِّیْنِ وَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دعا مومن کا ہتھیار ہے، دین کا ستون اور آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

حدیث شریف نمبر۷:

نیکی کے تمام کام آدمی عبادت ہیں اور دعا اکیلی ہی آدمی عبادت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا دل دعا و مناجات میں مشغول ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بکثرت احادیث طیبہ میں دعا کرتے رہنے کی ترغیب دلائی گئی تا کہ امت مرحومہ اس عظیم نعمت سے خوب خوب فائدہ اٹھا سکے۔

دعا سے مقصود:

دُعا سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ بندہ یہ بات ظاہر کرے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں انتہائی عاجزی کرنے والا ہے' اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور اس بارگاہ میں اپنی مسکینی کو ظاہر کر رہا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دعا کرنے کی بجائے خود کو اللہ تعالیٰ کے فضل کے حوالے کرتے ہوئے خاموش رہنا اور راضی برضا رہنا افضل ہے۔

جبکہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ دعا کرنا افضل ہے کیونکہ ایک تو اس بارہ میں دلائل بکثرت پائے جاتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ دعا کرنے میں تواضع اور محتاجی کا اظہار ہے' نیز اظہار فقر واحتیاج بجائے خود عبادت ہے۔ ان دونوں سے بلند تر بات یہ ہے کہ بندہ زبان سے دعا کرتا رہے اور دل سے راضی برضا رہے۔ اس سلسلہ میں کاملین کا مقام یہ ہے کہ اگر وہ اپنے دل میں دعا کرنے کے متعلق اشارہ پائیں تو دعا میں مشغول ہو جائیں اور اگر وہ اپنے دل سے دعا نہ کرنے کا اشارہ پائیں تو سکوت اختیار کریں۔

امام ابوالقاسم قشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس دعا میں اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کا نصیب ہو (کہ اس دعا میں حمد وثنا ہو اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود و ترقی درجات ہو) تو دعا کرنا افضل ہے' اور جس دعا میں بندے کا اپنا فائدہ مطلوب ہو اس میں چپ رہنا افضل ہے۔

بندہ ناچیز عرض گزار ہے کہ ہمارے لیے مصائب پر صبر کرنا بہت مشکل ہے' اظہار بے صبری و بے قراری اور شکوہ کا اندیشہ غالب رہتا ہے' لہٰذا دعا کرتے رہنا ہی بہتر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ یَدْعُوْبِهَا وَاُرِیْدُاَنْ اَخْتَبِیَ دَعْوَةَ شَفَاعَةٍ لِّاُمَّتِیْ

(بخاری شریف حدیث ۶۳۰۴، مشکوٰۃ کتاب الدعوات، پہلی فصل)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کی ایک خاص دعا ہوتی ہے جو کہ قبول ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ دعا کرتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میں اس دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھوں۔

اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عزم ظاہر فرمایا کہ میں وہ دعا چھپا کر رکھنا چاہتا ہوں' اور پھر آپ نے اس کو محفوظ رکھ لیا تا کہ کل کلاں بروز قیامت اسے کام میں لا کر اپنی امت کی بخشش کروالیں۔

علامہ ابن بطال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام انبیا کرام علیہم السلام پر فضیلت ظاہر ہو رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خاص مقبول دعا کو اپنے لیے اور اپنے اہل بیت کے لیے استعمال کرنے کی بجائے اپنی امت کو ترجیح دی' نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خاص دعا کو امت کی ہلاکت کے لیے بھی استعمال نہیں فرمایا جیسا کہ پہلے ہوتا رہا ہے۔

علامہ ابن جوزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسنِ تصرف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دعا کو اس موقع کے لیے مختص فرمایا ہے جس کے لیے ہونا چاہیئے تھی' نیز یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت پر بہت زیادہ کرم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات پر اپنی امت کو ترجیح دی ہے

۔مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر وتوجہ کا کمال دیکھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دعا کو اپنی گنہگار امت کے لیے مخصوص فرمایا کیونکہ وہ فرمانبرداروں کی نسبت اس خصوصی دعا کے زیادہ محتاج ہیں۔

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی امت پر کامل شفقت اور انتہائی رحمت ہے اور اپنی امت کی مصلحتوں کا کس قدر اہتمام فرماتے ہیں کہ آپ نے اس خاص دعا کو اس وقت کے لیے خاص کر رکھا ہے جب امت کو اس کی زیادہ ضرورت ہوگی۔

نوٹ: یہ ساری گفتگو فتح الباری شرح بخاری شریف سے ماخوذ ہے۔

ایک خاص الخاص دعا:

دُعا کی فضیلت واہمیت جاننے کے بعد فقیر غفرلہ اللہ القدیر ایک خاص دعا عرض کرنا چاہتا ہے' اسے دعائے کرب کہا جاتا ہے اور یہ دعا خاندانِ نبوت علی سیدنا افضل الصلوت والتسلیمات کے معمولات مبارکہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے' اسے ذخیرہ احادیث میں دعائے کرب کا نام دیا جاتا ہے۔بخاری شریف کتاب الداعوات میں ایک مستقل باب ہے۔

باب الدعاء عند الکرب

مصیبت کے وقت پڑھی جانے والی دعا

اس حدیث شریف کے بڑے راوی قاتل الخوارج والملحدین امیر المومنین سیّدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حبر الامت' فاتح الخوارج حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔بخاری شریف میں امام بخاری علیہ الرحمہ نے چار مقامات

حدیث نمبر ۶۳۴۵۔نمبر ۶۳۴۶۔نمبر ۷۴۲۶۔نمبر ۷۴۳۱ پر اسے روایت فرمایا ہے۔

حدیث شریف ۶۳۴۶ کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ عِنْدَالْکَرْبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ (متفق علیہ بخاری شریف حدیث نمبر ۶۳۴۶۔مشکوۃ کتاب الدعوات باب الدعوات فی الاوقات)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرب ومصیبت میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عظمت اور حوصلے والا ہے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم کا رب ہے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا عزت وکرامت والے عرش کا رب ہے۔

اس حدیث شریف کے کلمات محض توحید باری تعالیٰ اور اس کی صفت ربوبیت پر مشتمل ہیں' کسی قسم کے دعائیہ کلمات کا ذکر نہیں ہے' جس پر نثار حسین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے رہنا ہی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حمد وثنا کرنے والے کو دعا کرنے والوں کے برابر حصہ عطا فرما دیتا ہے اور اس حمد وثنا کی برکت سے مشکلات حل فرما دیتا ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لمن رب عزوجل من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رب العزت کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جس کو میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے سے روک دے تو میں اسے سوال کرنے والوں سے افضل عطا فرماتا ہوں۔

جیسا کہ حضرت یونس علیہ اسلام کی مبارک دعا جو آپ نے مچھلی کے پیٹ میں پڑھی تھی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ

(پارہ ۱۷، سورہ الانبیاء، آیت نمبر ۸۷)

یہ بھی ذکر اور اعتراف عبدیت و تضرع پر مشتمل ہے مگر دعا کے اعلیٰ ثمرات رکھتی ہے، جو بھی مصیبت زدہ اسے صدق دل سے پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجات پوری فرما دے گا۔

علاوہ ازیں مسند احمد بن حنبل کی حدیث نمبر ۲۴۱۱ میں کے بعد یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی پریشان کن معاملہ پیش ہوتا تو دعائے کرب پڑھنے کے بعد دعا فرماتے' لہٰذا بندہ جب دعائے کرب پڑھے تو اپنی حاجت برآری کے متعلق بارگاہ رب العزت میں دعا کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا معمول یہ تھا کہ آپ دعائے کرب پڑھنے کے بعد عرض کرتے۔

اللھم اصرف عنی شر فلان

یا اللہ! فلاں کا شر مجھ سے پھیر دے (اس سے مجھے بچا لے)۔ قاتل الخوارج حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول مبارک بھی یہی تھا۔

یقول عندھن انی اعوذبك من شر عبادك۔

کہ آپ دعائے کرب پڑھ کر یہ عرض کرتے کہ اے اللہ! میں تیرے بندوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اس طرح حضرت سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنے چچا سیدنا علی

المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کے آخر میں بھی اس طرح ہے کہ

ثم سل حاجتك۔

کہ دعائے کرب پڑھ کر اپنی حاجت کا سوال کرو۔

دعائے کرب کی عظمت:

محدث زہری کی مرسل روایت ہے کہ جس شخص نے دعائے کرب تین بار پڑھی گویا کہ اس نے لیلۃ القدر کو پالیا۔ (کنز العمال۔ حدیث ۳۸۶۸۔ جلد نمبر ۲)

شیخ ابوبکر رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں محدث ابونعیم کے پاس ٹھہر کر احادیث طیبہ لکھا کرتا تھا' اس دوران اس علاقہ اصبھان کے مفتی اعظم ابوبکر بن علی کے متعلق کسی شخص نے سلطان وقت کو بدگمان کر دیا تو سلطان نے انہیں گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا۔

فرایت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المنام و جبریل عن یمینہ یحرك شفتیہ بالتسبیح لا یفتر فقال لی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قل لابی بکر بن علی یدعو بدعاء الکرب فی صحیح البخاری حتی یفرج اللہ عنہ۔

شیخ ابوبکر رازی فرماتے ہیں' میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیا کہ جبریل امین علیہ السلام آپ کے دائیں طرف موجود ہیں اور وہ مسلسل تسبیح پڑھتے ہوئے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ ابوبکر کو کہو کہ بخاری کی صحیح میں جو دعائے کرب ہے اسے پڑھتے رہیں یہاں تک کہ اللہ اس مصیبت سے نجات دے دے۔

شیخ ابوبکر رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے صبح کو انہیں آ گاہ کر دیا تو انہوں نے یہ دعا کرنا شروع کر دی' جلد ہی رہا ہو گئے۔

ایک مختصر دعا:

حضرت سید السادات' منبع البرکات' سیّدی و سندی پیر سیّد محمد جلال الدین شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا معمول مبارک تھا کہ آپ اکثر اوقات میں یہ کلمات ادا فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰہ ربی لا شریك له

اللہ میرا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

ان کلمات کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ

اذا نزل بکم کرب او جهد ا و بلاء فقولو اللّٰہ ربنا لا شریك له

کہ جب تم کسی مصیبت یا سختی یا آزمائش میں مبتلا ہو جاؤ تو یوں عرض کرو۔

اللّٰہ ربنا لا شریك له۔

اس حدیث شریف میں اجتماعی دعا کے لیے ربنا کے الفاظ ہیں' پس اکیلا آدمی یوں عرض کرے گا۔ اللّٰہ ربی لا شریك له

یہ کلمات جملہ اہل ایمان کے لیے تریاق کا حکم رکھتے ہیں' بالخصوص خدام حضرت حافظ الحدیث علیہ الرحمہ کیلئے کیونکہ یہ کلمات ہمارے ولی نعمت کے معمولات کریمہ میں بھی داخل ہیں۔

ایک کربناک المیہ:

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عہد مامون میں بھی ایک سرکش گروہ نے سر نکالا



جسے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے

شر الخلق و الخلیقه اور الخوارج کلاب اهل النار

کہ وہ انسانوں اور دیگر مخلوقات میں سب سے زیادہ برے ہیں' اور خارجی دوزخیوں کے کتے ہیں۔ کے الفاظ والقاب سے یاد کیا گیا۔ اس گروہ کے متعلق حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خصوصی ہدایات سے سرفراز اور ان کی علامات سے آ گاہ فرمایا گیا۔

زبان رسالت مآب سے ان کے متعلق یوں بھی فرمایا گیا۔

لایزالون یخرجون حتی یخرج آخر هم مع المسیح الدجال۔ (نسائی شریف)

خارجی ہمیشہ نکلتے ہی رہیں گے حتیٰ کہ ان کا آخری ٹولہ مسیح دجال کے ساتھ برآمد ہو گا۔

حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا کہ

لولم یبق من امة محمد صلی اللہ علیه و آله وسلم الا ثلثة لکان احدهم علی رأی هولاء

اگر امت محمدیہ کے تین فرد بھی باقی رہ گئے تو ان میں سے ایک خارجی ضرور ہو گا۔

لہٰذا ان کے شر سے خود کو اور جملہ اہل ایمان کو بچانا بہت ضروری ہے اور خارجی اپنے روز خروج سے لے کر اب تک تلوار کی زبان ہی بولتے چلے آئے ہیں اور یہی ان کی شرارت کا مرکزی نقطہ ہے۔ مسجدوں اور دیگر عبادت گاہوں میں بم دھماکے ان کا طرہ امتیاز ہے' تو عملی طور پر ان کے شر سے بچاؤ کے علاوہ ایک عظیم و جلیل ذریعہ دعائے کرب ہے اور وہ یوں دعا کی جائے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔ اَللّٰهُمَّ اصْرِفْ عَنَّا شَرَّ الْخَوَارِجِ۔ آمین ۔ آمین ۔ آمین بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

ائمہ مساجد کی خدمت میں:

بندہ ناچیز اپنی ملت کے جملہ خطباء واعظین' ائمہ مساجد اور جملہ صوفیا و با اخلاص ومجاہدین بے لوث کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو اخلاص فی النیۃ' اخلاص فی العمل اور اخلاص فی التبلیغ کی دولت سے نوازا ہے اس اخلاص کو بروئے کار لاتے ہوئے محافل میں نمازوں کے آخر میں درودِ ابراہیمی کے بعد سلام سے قبل نماز کے بعد جمعہ شریف کے خطبوں میں اور تہجد کے مبارک وقتوں' بیت اللہ شریف کی زیارت کے وقت اور روضۂ مبارکہ پر حاضری کے وقت' غار حرا میں حاضری کے وقت' غار ثور میں پہنچ کر' الغرض جہاں دعا کا موقع ملے آپ اس عظیم الفوائد' نفیس العجائب' سریع البرکات' جلیل الثمرات دعائے کرب سے اس عاصی پر معاصی راقم الحروف سمیت جملہ اہل ایمان کو نوازتے رہا کریں۔

ع...... بر کریمان کار ہا دشوار نیست

اس دعا کو اس طرح صدق دل سے پڑھ کر اپنی دیگر حاجات کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے رہا کریں' اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی ہر طرح کی سختیاں معاف فرمائے۔

آمین بجاہ طٰہٰ یٰسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

برحمتك يا ارحم الراحمين

ابدال احادیث کے آئینے میں

از: جلال الملت والدین حضرت امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ

ترجمہ: مولانا ظہور احمد جلالی



نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مخلوق کے درجات میں تفاوت رکھا اور ہر دور میں سابقین بنائے' ان کے توسل سے زندگی اور موت عطا کرتا ہے اور موسلا دھار بارش اتارتا ہے اور صلوٰۃ وسلام ہمارے بدر منیر آقا حضرت محمد ﷺ پر اور ہدایت کے ستاروں ان کے آل واصحاب پر۔

بعد:

مجھ (جلال الملت والدین امام سیوطی علیہ الرحمۃ) تک یہ بات پہنچی ہے کہ بعض بے علم اور جاہل لوگ اس بات کا انکار کرتے ہیں جو اولیاء کرام علیہم الرحمۃ میں مشہور ہے کہ ان میں ابدال' نقباء' نجباء' اوتاد اور اقطاب ہوتے ہیں (جیسا کہ ابن تیمیہ نے الفرقان میں طرزِ عمل اختیار کیا ہے) جبکہ اس کے اثبات کے سلسلہ میں احادیث وآثار وارد ہیں تو میں نے ان کو اس رسالہ میں جمع کر دیا تاکہ اس سے استفادہ کیا جا سکے اور اہلِ عناد (ابن تیمیہ اور اس کے متبعین وغیرہ) کے انکار کی طرف توجہ نہ ہو۔ اس رسالہ کا نام ہے۔

"الخبر الدال على وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال"

امام سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب' حضرت علی بن ابی



طالب' حضرت انس' حضرت حذیفہ بن یمان' حضرت عبادہ بن صامت' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عوف بن مالک' حضرت معاذ بن جبل' حضرت واثلہ بن اسقع' حضرت ابوسعید خدری' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابودرداء اور حضرت ام المومنین ام سلمہ (رضی اللہ عنہم) سے مرفوع وموقوف احادیث وارد ہیں اور حضرت حسن بصری' حضرت عطا اور بکر بن خنیس سے مرسل روایات موجود ہیں' تابعین اور ان کے بعد والوں سے بے شمار آثار منقول ہیں۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

(۱) ابوطاہر مخلص (بہ سندہ نمبر ۱ یعنی کتاب میں جو مکمل سند موجود ہے) زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد جو کہ ملک شام میں مقیم تھے فرماتے ہیں یمن کی طرف سے ایک لشکر آیا۔ مدینہ طیبہ اور یمن کے درمیان پہنچا تو ان میں سے ایک آدمی نے شام کو اختیار کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا (یالیت شعری) تعجب ہے وہ تو ابدال سے تھا۔ کیا ان کے پاس سے قافلے گزرا ہے۔ اسے ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے۔

(۲) ابن عساکر نے بطریق سیف بن عمر' محمد' طلحہ اور سہل سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ دمشق سے فارغ ہو کر انشاءاللہ تعالیٰ اہل عراق کو عراق کی طرف پھیرنا' کیونکہ میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے (القا ہوا ہے) کہ تم اسے فتح کر لو گے۔ پھر اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ کر دشمن کے خلاف ان کی مدد کرو گے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں لوگوں کی گزرگاہ پر ٹھہر گئے اس لئے کہ دوسرے شہروں کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔ جب

آپ کسی قسم کو شام کی طرف روانہ کرتے تو فرماتے' اے کاش! ابدال سے ہو۔

کیا ان کے پاس سے سواریاں گزری ہیں یا کہ نہیں؟

اور جب کسی قوم کو عراق کی طرف بھیجتے تو ارشاد فرماتے۔

تعجب ہے کہ اس قبیلہ میں کتنے ابدال ہیں؟

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

(۳) امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ اپنی مسند میں (بہ سندہ) شریح بن عباد سے راوی ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عراق میں تھے۔ آپ کے سامنے شام والوں کا ذکر کیا گیا اور عرض کیا گیا کہ اے امیر المومنین ان پر لعنت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: نہیں کیونکہ میں نے رسول معظم ﷺ سے سنا ہے کہ ابدال شام میں ہیں' وہ چالیس مردانِ خدا ہیں۔ جب بھی ان میں کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا آدمی مقرر فرما دیتا ہے۔ ان کے طفیل بارش برسائی جاتی ہے' انہیں کے وسیلہ سے دشمنوں پر فتح و کامیابی حاصل کی جاتی ہے اور انہیں کے توسط سے اہل شام سے عذاب پھیر دیا جاتا ہے۔

(اس کے رجال' رجالِ صحیح ہیں' سوائے شریح بن عبید کے جبکہ وہ بھی ثقہ راوی ہیں)

دوسرا طریقہ:

(۴) ابن عساکر اپنی تاریخ میں (بہ سندہ) شریح بن عبید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سامنے اہلِ شام کا تذکرہ ہوا۔ عرض کیا گیا: اے امیر المومنین! ان پر لعنت کی دعا فرمائیے تو آپ نے فرمایا: نہیں؛ میں نے حبیب خدا ﷺ سے سنا ہے کہ ابدالُ ملکِ شام میں ہوں گے جو کہ چالیس مرد ہیں۔ اُن کے طفیل تم

پر بارش برسائی جاتی ہے' دشمنوں پر تمہاری مدد کی جاتی ہے اور زمین والوں سے مصیبت اور غرق کو پھیرا جاتا ہے۔

محدث ابن عساکر فرماتے ہیں کہ شریح اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے کیونکہ شریح کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں۔

(۵) محدث ابن ابی الدنیا کتاب الاولیاء میں (بہ سندہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ابدال کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ساٹھ آدمی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ان کے حالات بیان فرمائیں؟ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرنے والے اور ہر بات کی گہرائی کے طلبگار نہیں ہیں' اور انہوں نے جو کچھ پایا صوم وصلوٰۃ اور صدقات کی کثرت سے نہیں بلکہ نفس کی سخاوت' دل کی سلامتی اور اپنے پیشواؤں کی خیر خواہی کے سبب پایا ہے۔ اسے خلال نے ''کراماتِ الاولیاء'' میں ذکر کیا ہے اور اس میں ولابالمتعمقین کی جگہ ولابالمعجبین (کہ وہ خود پسند نہیں ہیں) کے الفاظ ہیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

''اے علی! میری امت میں ان کا وجود سرخ گندھک
سے بھی کمیاب ہے''۔

ایک اور طریقہ سے روایت:

(۶) امام طبرانی (بہ سندہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اہل شام کو گالیاں نہ دو کیونکہ ان میں ابدال ہیں"

طبرانی فرماتے ہیں کہ اس کے راوی صرف زید بن زرقاء ہیں۔

ابن عساکر فرماتے ہیں کہ یہ محدث طبرانی کا وہم ہے بلکہ ولید بن مسلم نے بھی اسے ابن لھیعہ سے (بہ سندہ) روایت کیا ہے۔

نیز اسے حارث بن یزید مصری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بیان کرتے ہیں نہ کہ مرفوعاً اور ہمیں ابوبکر محمد بن محمد نے خبر دی (بہ سندہ) کہ عبداللہ بن زریر نے حضرت امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اہل شام کو برائی سے یاد نہ کرو کیونکہ ان میں ابدال ہیں، بلکہ ان کے ظالموں کی برائی کا تذکرہ کرو۔

اسے حاکم نے مستدرک میں (بہ سندہ) ذکر کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی علیہ الرحمۃ نے اپنی مختصر میں اس تصحیح کو درست تسلیم کیا ہے۔

ایک اور طریقہ سے موقوف روایت:

(۷) رجاء بن حیوۃ (بہ سندہ) حارث بن حول سے راوی ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا:

اہلِ شام کو سبّ و شتم نہ کرو کیونکہ ان میں ابدال ہیں۔

حارث نے رجاء سے فرمایا کہ مجھے اہل نیسان کے دو صالح آدمیوں کے متعلق خبر دو کیونکہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل نیسان کے دو آدمیوں کو ابدالیت کیلئے مخصوص فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دوسرے کو اس کی جگہ فائز فرما دیتا ہے لیکن ان میں کسی متماوت (خود کو بزور مردہ ظاہر کرنے والے) اور آئمہ پر طعن کرنے والے کا ذکر نہ کرنا کیونکہ ایسے لوگ ابدال نہیں ہو سکتے۔

ایک اور روایت:

(۸) محدث ابن ابی الدنیا (بہ سندہ) ذکر کرتے ہیں کہ صفین کے دن ایک آدمی نے کہا "اے اللہ! اہل شام پر لعنت فرما"۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل شام کو گالی نہ دو کیونکہ وہاں ابدال ہیں، وہاں ابدال ہیں، وہاں ابدال ہیں۔

اسے امام بیہقی، خلال اور ابن عساکر نے متعدد اسناد سے ذکر کیا ہے (مختصراً)

ایک اور طریقہ سے روایت:

(۹) یعقوب بن سفیان (بہ سندہ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو شامیوں پر لعنت کرتے ہوئے سنا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمام شامیوں کو اس طرح برائی سے یاد نہ کرو کیونکہ ان میں ابدال ہیں۔

بطریق دیگر:

(۱۰) ابن عساکر (بہ سندہ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ خارجیوں کا ذکر کیا تو ایک آدمی نے شامیوں پر لعنت کی تو آپ نے فرمایا تیری تباہی ہو بالعموم ایسی بات نہ کہو۔ کیونکہ ان میں ابدال ہیں اور تم (اہل عراق) میں عصب (اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کی ایک قسم) ہیں، اسی سند میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

ابدال شام میں ہیں اور نجباء کوفہ میں۔

(۱۱) ابن عساکر (بہ سندہ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آل محمد ﷺ سے ایک مرد خدا (حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ) کھڑا ہوگا تو اللہ

تعالیٰ ان کیلئے اہل مشرق و مغرب کو جمع فرما دے گا' لوگ موسم خریف کے بادلوں کی طرح ان کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ رفقاء اہل کوفہ سے حاضر ہوں گے اور اہل شام سے ابدال

(۱۲) ابن عساکر ابتداءً اسی سند سے اور انتہاً بہ سند دیگر ولید ہجری سے راوی ہیں کہ خلیفہ چہارم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آگاہ ہو جاؤ کہ اوتاد اہل کوفہ سے ہیں اور ابدال اہل شام سے''۔

(۱۳) محدث خلال علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (بہ سندہ) کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام کا قبہ کوفہ میں ہے اور ہجرت مدینہ طیبہ میں۔ نجباء مصر میں اور ابدال شام میں اور وہ قلیل ہیں۔

اسے ابن عساکر نے بطریق ابو سعید نقل کیا ہے۔

(۱۴) ابن عساکر (بہ سندہ) راوی ہیں کہ حضرت سیدنا حیدر کرار کرم اللہ وجہہ' نے فرمایا کہ ابدال ملک شام میں ہیں' نجبا ملک مصر میں اور اخیار عراق میں۔

(۱۵) حافظ ابو محمد خلال اپنی کتاب کرامات اولیاء میں (بہ سندہ) راوی ہیں کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جس بستی میں سات مومن ہوں اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے عذاب دور رکھتا ہے''

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت:

(۱) حکیم ترمذی علیہ الرحمۃ نوادر الاصول میں (بہ سندہ) راوی ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''ابدال چالیس آدمی ہیں ان میں سے بائیس شام میں ہیں اور اٹھارہ عراق میں۔ جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو مقرر فرما

دیتا ہے۔ قیامت کے قریب یہ تمام وصال فرما جائیں گے تو قیامت قائم ہو جائے گی۔

(۲) حافظ ابو محمد خلال نے کرامات الاولیاء میں ذکر کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول معظم ﷺ کا ارشاد برحق ہے کہ ابدال چالیس مرد اور عورتیں ہیں ان میں جب کوئی مرد فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے مرد لے آتا ہے اور جب کوئی عورت فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دوسری عورت لے آتا ہے۔

اسے دیلمی نے مسند الفردوس میں بطریق ابراہیم بن ولید ذکر کیا ہے۔ محدث ابن لال مکارم الاخلاق میں (بہ سندہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری اُمت کے ابدال نمازوں اور روزوں کی کثرت کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ وہ تو سینوں کی صفائی اور دلوں کی سخاوت کی وجہ سے جنت میں جائیں گے''۔

اسے ابن عدی اور خلال نے بھی ذکر کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے۔

(۳) ابن عساکر (بہ سندہ) ذکر کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میری اُمت کا دارومدار (اور ستون) یمن کے عصب اور شام کے ابدال ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں' جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دوسرا لے آتا ہے۔ وہ متماوتین نہیں (غالباً اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خود کو تکلف سے مردہ ظاہر نہیں کرتے) اور نہ ہی متھالکین ہیں (کہ بزور ہلاک ہونے اور مرنے والے) اور نہ ہی متناوشین (طعنہ زنی کرنے والے) ہیں' وہ صوم وصلوٰۃ کی کثرت سے اس مقام پر نہیں پہنچے' وہ تو سخاوت' دلوں کی صحت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے

اس مقام پر فائز ہوئے ہیں۔

(۵) ابن عساکر نے ایک اور سند سے بھی اسے ذکر کیا ہے۔

(۶) امام طبرانی اپنی اوسط میں (بہ سندہ) حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''زمین چالیس مردان خدا سے خالی نہیں ہوسکتی جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثل (ان کے نقشِ قدم پر ہیں) فبھم یسقون و بھم ینصرون۔ ان کے طفیل بارش برستی ہے اور فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے' جب کوئی فوت ہوجائے تو اللہ تعالیٰ دوسرا تبدیل فرما دیتا ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بات یقینی ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں۔

حافظ ابوالحسن ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی روایت:

حکیم ترمذی نوادر الاصول میں (بہ سندہ) حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''ابدال شام میں ہیں' تیس آدمی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر ہیں' جب کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرے کو اس کی جگہ فائز کر دیتا ہے' اور بیس آدمی حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی منہاج و طریقہ پر ہیں اور ۲۰ آدمیوں کو لحن داؤدی علیہ السلام سے نوازا گیا ہے''۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت:

(۱) امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اپنی مسند میں (بہ سندہ) حضرت عبادہ بن

صامت رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا کہ اس اُمت کے ابدال تیس مرد ہیں جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر ہیں' جب ان میں سے کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرے کو لے آتا ہے۔

اسے حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور خلال نے کرامت الاولیاء میں ذکر کیا ہے۔ اس کے رجال' رجال صحیح ہیں' سوا عبدالواحد کے' عجلی اور ابوزرعہ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔

(۲) امام طبرانی نے اپنی کبیر میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا کہ:

''میری اُمت میں ہمیشہ تیس ابدال رہیں گے' ان کے صدقہ سے زمین قائم ہے' ان کے طفیل تم پر بارش برستی ہے اور تمہاری امداد و اعانت کی جاتی ہے''۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اُمید ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ ان سے ہیں۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت:

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کتاب الزہد میں (بہ سندہ) ذکر کرتے ہیں۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین سات مردان خدا سے خالی نہیں رہی' انہیں کے طفیل اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب ٹالتا ہے۔ اسے خلال نے بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت:

(۱) محدث طبرانی (بہ سندہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان

کرتے ہیں کہ آقائے دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میری اُمت میں ہر دور میں پانچ سو افراد افضل و بہتر ہوں گے اور چالیس ابدال ہوں گے، نہ پانچ سو میں کمی ہوگی، نہ ہی چالیس میں، جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پانچ صد میں سے کسی کو اس کی جگہ مقرر فرما دیتا ہے۔ یعنی چالیس میں سے فوت ہونے والے کی جگہ وہ آ جاتا ہے"۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ان کے اعمال کے متعلق ارشاد فرمائیں؟ فرمایا کہ "ظالم کو معاف کر دیتے ہیں اور برائی کرنے والے پر احسان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال سے لوگوں کی غمخواری کرتے ہیں"۔

اسے محدث ابونعیم، اور ابن عساکر نے اس طریق سے روایت کیا ہے۔ ابن عساکر نے ایک اور طریقہ سے بھی بیان کیا ہے جس کے الفاظ مختلف ہیں اور سند کے ساتھ یہ الفاظ لائے ہیں۔

"کہ جب ان میں سے کوئی انتقال کر جائے تو اللہ تعالیٰ پانچ صد میں سے کسی کو اس کی جگہ مقرر فرما دیتا ہے اور پانچ سو میں اس کی جگہ کوئی اور داخل کر دیا جاتا ہے"۔

بروایت دیگر:

(۲) محدث خلال کرامات الاولیاء میں (بہ سندہ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چالیس آدمی ہمیشہ رہیں گے، جن کے توسل سے اللہ تعالیٰ زمین کی حفاظت فرماتا ہے، جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا لے آتا ہے، اور یہ مقدس گروہ ساری زمین میں ہے۔

(۳) ابونعیم حلیہ میں (بہ سندہ) حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ

خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "میری اُمت کے ہر دور میں سابقون ہوں گے"۔

حکیم ترمذی (بہ سندہ) محمد بن علحان سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میری اُمت کے ہر دور میں سابقون ہوں گے یعنی ایمان کے لحاظ سے سبقت لے جانے والے"۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت:

محدث ابونعیم (بہ سندہ) حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی معظم ﷺ نے فرمایا کہ مخلوق خدا میں سے اللہ تعالیٰ کی تین بندوں کے دل حضرت آدم علیہ السلام کے دل پر ہیں، اور مخلوق میں سے چالیس کے دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل پر، سات کے حضرات ابراہیم علیہ السلام کے دل پر اور پانچ افراد کے دل قلبِ جبریل علیہ السلام پر ہیں، اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے تین بندوں کے دل حضرت میکائیل علیہ السلام کے دل پر ہیں، اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کا دل حضرت اسرافیل علیہ السلام کے دل پر ہے۔

جب وہ ایک (یکتا) فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین میں سے ایک کو اس کی جگہ مقرر فرما دیتا ہے، اور جب تین میں سے کوئی انتقال کر جاتا ہے تو پانچ میں سے ایک اس کی جگہ لے لیتا ہے، اور جب پانچ میں سے کوئی کوچ کر جاتا ہے تو سات میں سے ایک اس کی جگہ آ لیتا ہے، اور جب سات میں سے کوئی اس دار فانی کو خیرآباد کہہ دیتا ہے تو چالیس میں سے ایک اس کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے، اور جب چالیس میں کوئی ایک راہی ملک عدم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین سو میں سے ایک کو اس کی جگہ تبدیل فرما دیتا ہے، اور جب تین سو میں سے کوئی دار فانی کی طرف روانہ ہوتا ہے تو عام آدمیوں میں سے کسی

کے سر پر تاج رکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے توسل و طفیل سے زندہ کرتا اور مارتا ہے' بارش برساتا اور سبزہ اُگاتا ہے اور آفات کو دور فرماتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ ان کے طفیل زندگی اور موت کیسے عطا ہوتی ہے؟ فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اُمت کی کثرت کی دعا کرتے ہیں تو اُمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ جابر و سرکش لوگوں کی ہلاکت کی دعا کرتے ہیں تو انہیں مٹا دیا جاتا ہے' بارش کی دعا کرتے ہیں تو بارش برسا دی جاتی ہے' وہ سوال کرتے ہیں تو ان کیلئے زمین سبزہ پیدا کر دیتی ہے' اور دعا کرتے ہیں تو طرح طرح کی مصیبتیں دُور کر دی جاتی ہیں۔

اسے ابن عساکر نے تخریج فرمایا ہے۔

دوسرا طریقہ:

طبرانی کبیر میں (بہ سندہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میری اُمت میں چالیس آدمی ہمیشہ رہیں گے جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی طفیل زمین والوں سے مصیبتیں اور تکلیفیں دور فرماتا ہے اور انہیں ابدال کہا جاتا ہے۔ انہیں یہ مقام نماز' روزہ اور صدقہ سے حاصل نہیں ہوا۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! انہیں یہ مقام کیسے نصیب ہوا؟ فرمایا: دل کی سخاوت اور مسلمانوں کی خیر خواہی سے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت:

امام طبرانی (بہ سندہ) شہر بن حوشب سے روایت کرتے ہیں کہ جب مصر فتح ہوا تو اہل شام کو قیدی بنا لیا گیا تو حضرت عوف بن مالک نے اپنی ٹوپی سے سر ظاہر کرتے

ہوئے فرمایا: اے اہلِ مصر! شام والوں کو سبّ و شتم نہ کرنا کیونکہ میں نے رسُولُ اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ان میں ابدال ہیں جن کے طفیل تمہیں مدد اور رزق سے نوازا جاتا ہے۔

ابن عساکر بھی اس کے راوی ہیں' اس میں بعض راوی ضعیف اور بعض مختلف فیہ ہیں۔ (خلاصۃ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت:

ابو عبدالرحمٰن مسلمی سنن الصوفیہ میں بہ سندہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: جس آدمی میں تین خصلتیں ہوں وہ ابدال سے ہوتا ہے' جس کے ساتھ دُنیا اور اہلِ دُنیا قائم ہیں۔

۱۔ قضا پر رضا

۲۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء پر صبر

۳۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارہ میں غضب

اسے دیلمی نے مسند الفردوس میں بیان کیا ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت

ابن عساکر (بہ سندہ) حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں دمشق اپنے باشندوں' ابدالوں' مسجدوں' زاہدوں' مال مویشی اور مردوں کے لحاظ سے کثرت میں ہوگا اور کافر وہاں کم ہوں گے اور یہ اپنے باسیوں کیلئے معقل (جائے قرار' احاطہ) ہوگا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت:

امام بیہقی (بہ سندہ) حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کے ابدال اعمال کے باعث جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ وہ تو اللہ کی رحمت، دلوں کی سخاوت، سینوں کی سلامتی اور تمام مسلمانوں پر رحمت کے سبب جنت میں داخل ہوں گے۔

اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ مختصراً

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت:

امام ابن حبان اپنی تاریخ میں (بہ سندہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ

زمین تیس آدمیوں سے خالی نہیں ہو سکتی جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پر ہیں، ان کے طفیل تمہاری فریاد رسی کی جاتی ہے، رزق دیا جاتا ہے اور بارش برسائی جاتی ہے۔

دوسرا طریقہ سے:

خلال (بہ سندہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ابھی اس دروازے سے ایک آدمی داخل ہوگا جو ان سات میں سے ایک ہے، جن کی وجہ سے زمین والوں سے سختیاں دور کی جاتی ہیں، تو اچانک ایک حبشی شخص اندر آ گیا جو سر سے گنجا ہے، ناک بیٹھی ہوئی ہے اور سر پر پانی کا مٹکا ہے، تو رسول معظم ﷺ نے فرمایا: وہ یہی ہے، پھر تین بار فرمایا "یسار! خوش آمدید" وہ مسجد میں جھاڑو پھیرتا اور ترکاؤ کرتا تھا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت:

حکیم ترمذی "نوادر الاصول" میں (بہ سندہ) ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام زمین کے اوتاد تھے، جب نبوت منقطع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کو ایک جماعت عطا کر دی جنہیں ابدال کہا جاتا ہے۔ وہ صوم وصلوٰۃ وتسبیح کی کثرت سے لوگوں پر فائق نہیں ہوئے بلکہ حُسنِ خلق، صدقِ ورع، حُسنِ نیت، تمام اہلِ اسلام کے متعلق دلوں کی سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی کے سبب افضل قرار پائے ہیں۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت:

محدث ابو داؤد اپنی سنن میں (بہ سندہ) حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ خلیفہ وقت کے وصال کے وقت اختلاف پیدا ہوگا تو ایک آدمی مدینہ طیبہ سے نکل کر مکہ کی طرف جائے گا، اہلِ مکہ اس کے پاس حاضر ہو کر اسے باہر لائیں گے۔ وہ پسند نہیں کرے گا، پھر رکن اور مقام ابراہیم (علیہ السلام) کے درمیان اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ شام سے ایک جتھہ ان کے خلاف لڑنے کیلئے بھیجا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس جتھے کو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع بیداء جگہ پر زمین میں دھنسا دے گا۔ جب لوگ یہ ماجرا دیکھیں گے تو اس وقت اس آدمی کی خدمت میں اہلِ شام کے ابدال اور اہلِ عراق کے عصائب حاضر ہوں گے اور بیعت کریں گے۔

اسے امام احمد نے اپنی مسند میں، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، ابو یعلیٰ، حاکم اور

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہم نے ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی متعدد طُرق سے روایت کرتے ہیں۔ بعض مبہم سندوں میں مجاہر کا نام ہے اور بعض میں عبداللہ بن حارث کا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت:

محدث ابن ابی الدنیا کتاب السخاء میں (بہ سندہ) حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے ابدال کثرت صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ وہ تو سینوں کی سلامتی اور دلوں کی سخاوت کی وجہ سے جنت میں مکین ہوں گے۔

اسے امام بیہقی نے بھی شعیب الایمان میں ذکر کیا ہے۔

حکیم ترمذی نوادر الاصول میں (بہ سندہ) حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے ابدال نماز' روزہ کی کثرت سے جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت' سینوں کی سلامتی' دلوں کی سخاوت اور تمام مسلمانوں پر رحمت کے پیشِ نظر جنّت نشین ہوں گے۔

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت:

محدث ابوداؤد (بہ سندہ) حضرت عطاء تابعی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسولِ مُعظّم ﷺ نے فرمایا کہ ابدال موالی (غلاموں) سے ہوں گے۔

اسے حاکم نے الکنی میں ذکر کیا ہے۔

بکر بن خنیس کی مرسل روایت:

محدث ابن ابی الدنیا کتاب الاولیاء میں (بہ سندہ) نقل کرتے ہیں کہ بکر بن

خنیس نے مرفوعاً بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے ابدالوں کی علامت یہ ہے کہ وہ کبھی بھی کسی چیز پر لعنت نہیں کرتے۔

اثر نمبر ۱:

ابن عساکر حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ زمین ستر (۷۰) صدیقین سے خالی نہیں ہوسکتی' وہ ابدال ہیں' ان میں سے چالیس ملک شام میں اور تیس باقی علاقوں میں۔

اثر نمبر ۲:

ابن عساکر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ زمین چالیس مردانِ خدا سے خالی نہیں ہوسکتی۔ ان کے صدقہ سے بادل برستے ہیں' مدد کی جاتی ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔ ان میں سے جب کوئی فوت ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا لے آتا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ مجھے اُمید ہے کہ حسن بصری ان سے ہیں۔

اثر نمبر ۳:

خلال اور ابن عساکر خالد بن معدان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ زمین نے اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا: یا اللہ! تو مجھے کس حال میں چھوڑے گا کہ مجھ پر کوئی نبی نہیں ہوگا' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھ پر ملک شام میں چالیس صدیق رکھوں گا۔

اثر نمبر ۴:

ابن جریر اپنی تفسیر میں حضرت شہر بن حوشب کا قول ذکر کرتے ہیں کہ زمین

چودہ (۱۴) آدمیوں سے خالی نہیں رہ سکتی؛ جن کے صدقہ سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے عذاب دور کرتا ہے اور زمین اپنی برکتیں نکالتی ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دَور میں آپ اکیلے ہی تھے۔

===============

کنز العلماء
ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی
کی سعیٔ مشکور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عقیدۂ صحیحہ اہلسنّت و جماعت اور سلف صالحین کے سچے متبعین اوّل یوم سے لے کر آج تک تسلسل سے چلے آ رہے ہیں اور ہر دور میں سوادِ اعظم کے اعزاز سے شرف یاب رہے۔ اللھم زد فزد

البتہ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق قیامت کے قریب ایمان سکڑتا چلا جائے گا اور منافقت پھیلتی چلی جائے گی۔

یعنی اہل حق کی نسبت گمراہ لوگ غلبہ پاتے جائیں گے‘ کی تصدیق ہمارے سامنے ہو رہی ہے کہ ڈیڑھ سو سال سے نمودار ہونے والے انگریز کے چند وظیفہ خواروں کی ذریت کس زور سے پھیل رہی ہے‘ کس انداز میں راتوں رات مسجد بن جاتی ہے جبکہ وہاں ایک یا بمشکل ڈیڑھ آدمی ایسا ہوتا ہے جو راتوں رات مسجد بنانے والوں کا ہم خیال و پیروکار ہو۔

ایسے پُرفتن دور میں رہنمائی کے سچے طلبگار کیلئے رسول اللہ ﷺ کی احادیث طیبہ بکثرت موجود ہیں‘ صرف طلبِ صادق کا جذبہ درکار ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے گمراہوں کی نشاندہی فرماتے ہوئے ان کی ایک علامات یہ بیان فرمائی۔

حدیث شریف:

عَنْ حُذَیْفَةَ بْنِ الْیَمَانِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَتَخَوَّفُ عَلَیْكُمْ رَجُلًا قَرَءَ الْقُرْاٰنَ حَتّٰى اِذَا رُؤِیَتْ بَهْجَتُهُ عَلَیْهِ وَكَانَ رِدَاءُهُ الْاِسْلَامَ اعْتَرَاهُ اِلٰى مَاشَاءَ اللّٰهُ انْسَلَخَ مِنْهُ وَنَبَذَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ وَسَعٰى عَلٰى جَارِهِ بِالسَّیْفِ وَرَمَاهُ بِالشِّرْكِ قَالَ قُلْتُ

یَانَبِیَّ اللّٰهِ اَیُّهُمَا اَوْلٰى بِالشِّرْكِ؟ اَلْمَرْمِیُّ اَوِ الرَّامِیُّ؟ قَالَ بَلِ الرَّامِیُّ، هٰذَا اِسْنَادٌ جَیِّدٌ وَالصَّلْتُ بْنُ بَهْرَامٍ كَانَ مِنْ ثِقَاتِ الْكُوْفِیِّیْنَ وَلَمْ یُرْمَ بِشَیْءٍ اِلَّا الْاِرْجَاءَ وَقَدْ وَثَّقَهُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَیَحْیٰى بْنُ مَعِیْنٍ وَغَیْرُهُمَا

(تفسیر ابن کثیر ۲۶۵/۴/ جلد ۲‘ ابونعیم‘ کنزالعمال نمبر ۸۹۸۵‘ ص ۳/۸۷۲)

ترجمہ: صاحبِ سِرّ رسول ﷺ حضرت حذیفہ ابنِ یمان رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تم پر اس شخص کا ڈر ہے جو قرآن پڑھے گا‘ جب اُس پر قرآن کی رونق آ جائے گی اور اسلام کی چادر اُس نے اوڑھ لی ہو گی تو اُسے اللہ جدھر چاہے گا بہکا دے گا‘ وہ اسلام کی چادر سے صاف نکل جائے گا اور اُسے پسِ پُشت ڈال دے گا اور اپنے پڑوسی پر تلوار چلانا شروع کر دے گا اور اُسے شرک سے مُتّہم و منسوب کر دے گا (یعنی شرک کا فتویٰ لگائے گا) (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی شرک کا زیادہ حق دار کون ہے؟ شرک کی تہمت لگایا ہوا یا شرک کی تہمت لگانے والا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شرک کی تہمت لگانے والا شرک کا زیادہ حق دار ہے۔

یہ سند جیّد ہے اور صلت بن بہرام ثقہ کوفی لوگوں میں سے ہے اور ارجاء کے سوا اس پر کسی الزام کی تہمت نہیں‘ امام احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین اور دیگر حضرات نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

اس ایٹم بم حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے وقت تفسیر ابن کثیر کے مترجم مشہور وہابی مولوی محمد میمن جوناگڑھی نے پوری طرح یہودیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو

ترجمہ جوناگڑھی:

چنانچہ حضرت (ﷺ) نے فرمایا مجھ کو تم پر کچھ اس قسم کا اندیشہ ہے جیسے وہ

آدمی قرآن کا علم رکھتا تھا' قرآن کی برکت اس کے چہرے سے ظاہر تھی' اسلامی شان تھی' لیکن اللہ کی دی ہوئی بدبختی نے اس کو آ گھیرا' اسلام کے احکام اس نے پسِ پُشت ڈال دیئے' وہ اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑا' یہ الزام لگا کر کہ اس نے شرک کیا ہے۔ حضرت (ﷺ) سے پُوچھا گیا کہ الزام لگانے والا خطا کار تھا یا جس پر الزام لگایا گیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ خطا کار الزام لگانے والا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر پارہ ۹، ص ۴۷، جلد ۲، کتابت شدہ قدیم ایڈیشن مطبوعہ نور محمد آرام باغ کراچی)

صاحبِ عقلِ سلیم کیلئے حق کی پہچان کرنے کیلئے ایک حدیث شریف ہی کافی ہے کہ وہ دیکھے کہ حضور اکرم ﷺ نے شرک کا الزام دینے والوں کو منافق قرار دیا ہے تو وہ کون لوگ ہیں؟ اور جن کو شرک سے بری قرار دیا ہے وہ کون لوگ ہیں۔

نیز بغور دیکھئے کہ مولوی محمد میمن جونا گڑھی کو غلط ترجمہ کرنے کی مجبوری کیا تھی تو حق نصف النہار کے سورج کی طرح چمکتا ہوا نظر آئے گا۔

ایک تلخ حقیقت:

خاتم المحدثین حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ''الاصابۃ فی تمییز الصحابہ'' کے دیباچہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

وھؤلاء لیسوا اصحابہ باتفاق من اھل العلم بالحدیث

حدیث کا علم رکھنے والوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ لوگ صحابی نہیں ہیں۔

(الاصابہ جلد ۱، ص ۷)

چند سطر بعد ان کی مروی احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

واحادیث ھؤلاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلة

بالاتفاق من اھل العلم بالحدیث

کہ ان حضرات کی رسول اللہ ﷺ سے روایت کردہ احادیث مرسل ہوں گی' حدیث کا علم رکھنے والوں کا اس پر اتفاق ہے۔ (الاصابہ جلد ۱، ص ۷)

پھر چند سطور بعد کچھ دیگر حضرات کے تذکرہ کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یقول علیه علی طرائق اھل الحدیث

اس سلسلہ میں اہل الحدیث کے طریقوں پر اعتماد کیا جائے گا یا ان کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ (الاصابہ جلد ۱، ص ۷)

امام المحدثین ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک صفحہ پر پہلے دو بار اہل العلم بالحدیث' پھر ایک بار اہل الحدیث کے الفاظ ذکر فرماتے ہیں' جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اہل الحدیث مختصر ہے' اہل العلم بالحدیث ہے کہ حدیث شریف کا علم رکھنے والے ہیں۔ لہٰذا جب لفظ اہلحدیث بولا جائے گا تو اس کا مطلب ہوگا کہ علم حدیث رکھنے والے' جیسے اہلِ نحو کا مطلب ہے نحو کا علم رکھنے والے' اہلِ صرف کا مطلب ہے صرف کا علم رکھنے والے' اہلِ فقہ کا مطلب ہے فقہ کا علم رکھنے والے' جاننے والے مراد نہیں ہیں بلکہ اس علم میں مہارت رکھنے والے مراد ہیں۔ اس علم کی گہرائی تک پہنچنے والے اور غواصی کرنے والے ہیں۔ کسی علم کے چند مسائل جان لینے سے کوئی شخص اس علم کا مدعی بنے گا تو جھوٹا قرار پائے گا' اس طرح اہل الحدیث۔ اہل الحدیث اس مقدس گروہ کا نام ہے جو عمر بھر حدیث شریف کا علم حاصل کرنے اور تدریس و تشریح حدیث شریف' اس کی روایت و درایت میں مصروف رہے۔

جس طرح علم حدیث شریف دیگر علوم میں امتیازی شان رکھتا ہے اسی طرح

علم شریف کے ماہرین اور اس علم کی خدمت و تدریس میں مصروف حضرات بھی طبقۂ علمی میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔

مسائلِ علمِ نحو سے ناواقف' مسائلِ علمِ صرف سے نابلد' مسائلِ علمِ فقہ سے ناآشنا کوئی شخص اگر نحوی' صرفی یا فقیہ ہونے کا دعویٰ کرے گا تو ضرور کذاب قرار پائے گا۔

ایسا شخص خود کو اہلحدیث کہے تو وہ خود جھوٹا ہے' اور اگر اسے کوئی شخص اہلِ حدیث تسلیم کرے تو تسلیم کرنے والا بھی کذب بیانی کا مرتکب ہوگا۔ اہلحدیث مخصوص فرقہ' جتھے یا گروہ کا نام نہیں ہے کہ کوئی کوچوان اس کا رکن بن گیا تو وہ بھی اہلحدیث' کوزہ گر اس کا ممبر بن گیا تو یہ بھی اہلحدیث' کوئی کفش دوز ان میں آ دھمکا تو وہ بھی اہلحدیث' کسی کو چند احادیث یاد ہوگئیں تو وہ بھی اہلحدیث' ایسا ہرگز نہیں ہے۔

دورِ حاضر کا سب سے بڑا فریب:

بلکہ فقیر ایک عرصہ سے کہتا اور لکھتا چلا آرہا ہے' اس دور میں بہت سے فتنوں کے علاوہ دین کا نام لے کر' دین کا لبادہ اوڑھ کر جس مکر و فریب کو سب سے زیادہ رواج دیا جارہا ہے' وہ یہی ہے کہ علم حدیث شریف میں مہارت سے محروم بلکہ ابتدائی معلومات پر دسترس کی نعمت سے بھی خالی ہے لیکن اہلحدیث ہونے کا مدعی بن بیٹھا ہے اور حدیث شریف کا لفظ اپنی ذاتی اغراض اور گروہ بندی کی ترویج کیلئے استعمال کر رہا ہے جبکہ ایسے لوگوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے' روایت کے الفاظ مختلف ہیں' ایک روایت میں ہے:

يقولون من قول خير البرية ۔ (بخاری شریف معہ شرح عمدۃ القاری)

(دین سے بھٹک جانے والے خارجی) خیر الخلق ﷺ کے قول مبارک کی بات کریں گے۔

علامہ عینی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ای السنۃ۔ کہ وہ لوگ حدیث والے کہلائیں گے۔

دوسری روایت کے مطابق الفاظ یوں ہیں:

يقولون من خير قول البرية

اس کا ترجمہ عابد الرحمٰن کاندھلوی یوں کرتے ہیں:

تمام مخلوقات میں سب سے اچھی بات کریں گے۔

(صحیح مسلم مترجم اُردو جلد ۱، ص ۸۸۲، قرآن محل کراچی)

سب سے اچھی بات کتاب و حدیث ہیں' یعنی وہ کتاب اور سنت و حدیث کا لیبل لگائیں گے۔

اسی طرح مولانا احمد علی سہارنپوری بخاری شریف کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

يقولون قولا هو خير من قول البرية اى هو بعض من كلام الله او بعض من كلام رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا فى الخير الجارى۔

کہ وہ ایسی بات کریں گے جو مخلوق کی بات سے بہتر ہوگی کہ ان کی بات کتاب اللہ سے ہوگی یا رسول اللہ ﷺ کی کلام سے ہوگی۔

(حاشیہ بخاری شریف، جلد ۲، ص ۷۵۶)

اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ خارجی لوگ کتاب و سنت کو آڑ بنا کر اپنے نظریات کا پرچار کریں گے۔

حدیث شریف میں بیان کردہ علامت کی تلاش کر لی جائے تو آدمی فی زمانہ جاری فرقہ واریت اور گروہ بندی سے مکمل نجات پا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں فقیر چند تلخ حقائق بیان کئے دیتا ہے تا کہ قاری کو آسانی ہو۔

سعودی حکومت نے حجاج کرام کو بطورِ تحفہ قرآن عزیز ترجمہ وتفسیر دینے کا پروگرام بنایا تو ...... کے ترجمہ قرآن اور مولوی شبیر احمد عثمانی کی تفسیر کا انتخاب کیا گیا۔ اہلسنّت کو اس تفسیر پر تشویش تو تھی ہی اہلِ نجد کے کرایہ داروں کو بھی اس پر سخت کوفت تھی' انہوں نے شبیر احمد عثمانی کی سورۃ فاتحہ پر تفسیر کی درج ذیل عبارت:

اس آیت (اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانتِ ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے استعانت ہے' الفاتحہ حاشیہ نمبر ۵ کو بنیاد بنا کر اسلام آباد سعودی سفارت خانہ میں شکایت کر دی تو لاکھوں کی تعداد میں طبع شدہ نسخوں کو بیک جنبش منجمد کر دیا گیا' واللہ اعلم وہ اب کس حالت میں ہیں' اس کی جگہ اہلِ نجد کے حضور سرِ نیاز جھکانے والے ثعلب صفت وظیفہ خواروں نے مولوی محمد میمن جونا گڑھی کا ترجمہ مع تفسیری حاشیہ منظور کروا لیا جو اب حجاج کرام بطورِ تحفہ سعودی حکومت ہر حاجی کو دیتی ہے۔ اس ترجمہ کے ساتھ مولوی صلاح الدین یوسف کا تفسیری حاشیہ ہوتا ہے۔

اس مترجم قرآن کی جھلک تو آپ ملاحظہ فرما چکے کہ سابقہ مذکورہ ایٹم بم حدیث میں اس نے کم از کم سولہ بار غلط بیانی اور دروغ گوئی سے کام لیا ہے' اب مفسر کی علمی لیاقت اور قرآن دشمنی کا حال ملاحظہ ہو۔ موصوف سورہ یٰسین شریف کے آغاز میں سورہ مبارکہ کا تعارف کرواتے ہوئے رقمطراز ہیں:

سورۃ یٰسین کے فضائل میں بہت سی روایات مشہور ہیں مثلاً قرآن کا دل ہے' اسے قریب المرگ شخص پر پڑھو وغیرہ مگر سند کے لحاظ سے کوئی روایت بھی درجۂ صحت کو نہیں پہنچی۔ بعض بالکل موضوع ہیں یا پھر ضعیف ہیں۔ قلبِ قرآن والی روایت کو شیخ

البانی نے موضوع قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ حدیث ۱۶۹) سعودی حکومت کی طرف سے شائع کردہ قرآن عزیز معہ ترجمہ وتفسیر میں ص ۱۲۳۲۔

مذکورہ بالا عبارت کو پڑھتے وقت یہ خیال تو فرمائیں کہ لکھنے والا قرآنِ عزیز کی ترجمانی کر رہا ہے یا دشمنی؟

کیا اس شخص کے دل میں سورۃ یٰسین کی عظمت نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ کیا اس شخص نے سورۃ یٰسین کی فضیلت میں وارد تمام مرویات کو دیکھ پرکھ کر یہ بات لکھی ہے یا مسلمانوں کی دلآزاری کی غرض سے محض ایسی بات کہہ دی ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے؟

الغرض یہ بات مولوی صاحب کی دروغ گوئی اور فریب کاری کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ تمام روایات کو ضعیف یا موضوع گردان رہا ہے۔ فقیر کا اس پر مضبوط مقالہ ماہنامہ جلالیہ بھکھی شریف میں شائع ہو چکا ہے' سردست حافظ ابنِ کثیر کے حوالہ سے اس کذّاب پر صرف ایک کوڑا برسانے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر دمشقی تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَرَءَ یٰسٓ فِیْ لَیْلَۃٍ اَصْبَحَ مَغْفُوْرًا لَّھُمْ وَمَنْ قَرَءَ حٰمٓ الَّتِیْ یُذْکَرُ فِیْھَا الدُّخَانُ اَصْبَحَ مَغْفُوْرًا لَّھُمْ ، اسنادہ جید۔

جس نے رات کو سورہ یٰسین کی تلاوت کی وہ بخشا گیا اور جس نے حم الدخان کی تلاوت کی وہ بھی بخشا گیا۔ اس حدیث کی سند جید ہے۔

(تفسیر ابن کثیر آغاز سورہ یٰسین شریف جلد ۳، ص ۵۶۳)

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن کثیر دمشقی کا 'اسناد جید کہنا' صلاح الدین

یوسف کے فسادِ قلبی و دینی اور گرگ یوسف در ہونے کا ثبوت ہی کافی ہے۔ صلاح الدین یوسف اور ان کے تمام بہی خواہوں کو فقیر کا کھلا چیلنج ہے کہ وہ صلاح الدین کی اس بے دینی پر مشتمل عبارت کو صحیح ثابت کر کے منہ بولا انعام پائیں۔

مدعیانِ حدیث کی ایک اور جعلسازی:

۰۸-۰۱-۲۳ کو نوائے وقت کے کالم ایڈیٹر کی ڈاک میں کسی فضل الرحمٰن بن محمد نامی مدعیِ حدیث کا ایک مضمون بعنوان "ایک حدیث پر علمی تحقیق" شائع ہوا، جس میں مضمون نگار نے حدیث شد الرحال کو موضوعِ سخن بناتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے بغض کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

امام ابنِ تیمیہ سے ان کے مجموعہ فتاویٰ جلد ۲۷، ص ۲۵ میں پہلی حدیث کے بارے میں منقول ہے کہ یہ ضعیف سند کے ساتھ الدارقطنی نے روایت کی ہے جس بناء پر ایک سے زیادہ آئمہ حدیث نے اس کا ذکر گھڑی گئی روایات میں کیا ہے۔

(فضل الرحمان بن محمد ۱۸۷ پر مال سکیم لاہور، روزنامہ نوائے وقت ایڈیٹر کی ڈاک ۰۸-۰۱-۲۳)

اس مضمون کا تفصیلی جائزہ محقق العصر مولانا مفتی محمد خان قادری زیدہ مجدہ نے نوائے وقت میں شائع کروا دیا، ان کا یہی مضمون "ماہنامہ اہلسنت گجرات" کے شمارہ اپریل ۲۰۰۸ء میں بھی شائع ہوا۔ نیز یہی مضمون ماہنامہ "سوئے حجاز" لاہور کے شمارہ میں بھی شائع ہوا۔ نیز فقیر کے عزیز از جان حافظ سید عزیز الحسن شاہ مشہدی نے اس دشمنِ حدیث مدعیِ اہلحدیث سے دریافت کیا کہ حضرت آپ نے ایک طرف لکھا ہے "یہ ضعیف سند کے ساتھ الدارقطنی نے روایت کی ہے، اس کے متصل بعد لکھا ہے "جس بناء پر ایک سے زیادہ آئمہ حدیث نے اس کا ذکر گھڑی گئی

(یعنی موضوع، جلالی عفی عنہ) روایات میں کیا ہے۔

کیا ضعیف اور موضوع میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اگر فرق ہے تو آپ ایک طرف ضعیف سند کہہ رہے ہیں اور اسی حدیث کو گھڑی گئی بھی (موضوع) کہہ رہے ہیں، ایسا کیوں ہے؟

اور اگر ضعیف اور موضوع میں کوئی فرق نہیں ہے تو بھی وضاحت فرمائیں کہ یہ فرق آئمہ حدیث نے ختم کر رکھا ہے یا آپ حضرات کی خانہ زاد چیز ہے؟

حافظ سید عزیز الحسن مشہدی نے اس مضمون کا پہلا مکتوب ۰۸-۰۱-۲۳ دوسرا مکتوب ۰۸-۰۲-۲۵ کو تیسرا ۰۸-۰۳-۰۷ کو اور چوتھا مکتوب ۰۸-۰۴-۰۹ کو رجسٹری کر دیا اور ہر بار باقاعدہ واپسی کیلئے رجسٹری کے ڈاک ٹکٹ روانہ کرتے رہے، رجسٹری کی رسیدیں ہمارے ریکارڈ میں موجود ہیں، کوئی صاحب بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

الحمدللہ القہار یہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صفت غیظ المنافقین کا پرتو جلیل ہے کہ مولوی صاحب مذکور کو ان چاروں رجسٹری شدہ مکتوبات میں سے کسی ایک کا جواب دینے کی ہمت نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ہو بھی نہیں سکتی۔

اسی طرح فقیر کے ایک اور عزیز حافظ محمد محبوب رفیق نے فضل الرحمٰن بن محمد کے مضمون کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک ہی مضمون کے چار مکتوبات رجسٹری کئے۔ ان چاروں مکتوبات کی رجسٹری کی رسیدیں ہمارے ریکارڈ میں محفوظ ہیں مگر مولوی صاحب کو ان کا بھی جواب دینے کی جرأت نہیں ہوئی۔ نیز یہ صاحب بھی ہر بار الگ رجسٹری کیلئے ڈاک ٹکٹ روانہ کرتے رہے جو مولوی صاحب کے درونِ خانہ بیت المال میں ہم فقراء کا قرض ہے جو ہم ان کی عملی بددیانتی واضح کرتے ہوئے ان سے وصول کرتے رہیں گے۔

یہ مدعیانِ حدیث ابن تیمیہ کا نام بڑے زور و شور سے استعمال کرتے ہیں، اس

سلسلہ میں فقیر اپنے استاد گرامی شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی زیدہ مجدہ کا ایک ارشاد نقل کرنا مناسب سمجھتا ہے۔

آپ ابن تیمیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ:

وتنازعوا في السلام عليه فقال الاكثرون كمالك واحمد و غيرهما يسلم عليه مستقبل القبر و هو الذي ذكره اصحاب الشافعي اظنه منقولا عنه و قال ابو حنيفه واصحابه بل يسلم عليه مستقبل القبلة بل نص ائمة السلف على انه لا يوقف عنه للدعاء مطلقاً۔

(شیخ ابوالعباس ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ مجموعہ الفتاوی جلد ۲۷، ص ۱۱۷، مطبوعہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود، سعودی عربیہ)

رسول اللہ ﷺ پر سلام عرض کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ امام مالک، امام احمد کا نظریہ یہ ہے کہ آپ کی قبر کی طرف منہ کرے، امام شافعی اور ان کے اصحاب سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرے، بلکہ آئمہ متقدین نے اس کی تصریح کی ہے کہ دعا کیلئے قبر پر مطلقاً نہ ٹھہرے۔

ابن تیمیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں:

شیخ ابن تیمیہ نے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ وہ قبر کو پیٹھ اور قبلہ کی طرف منہ کرنے کو کہتے ہیں، یہ کذب ہے اور خلاف واقع ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اپنی مسند میں قبر کی طرف منہ کرنے کی روایت بیان کی ہے اور تمام احناف کا یہی مسلک ہے۔

(شرح صحیح مسلم شریف، جلد ۳، ص ۱۵۷)

مدعیانِ اہلحدیث کی خود فریبی کا پردہ چاک ہو گیا:

۲۵-۰۶-۱۹۹۹ء کو میرپور آزاد کشمیر میں ایک شخص مرزا زاہد حسین پروفیسر کے خلاف ایک مقدمہ دائر کیا گیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کیا ہے، مقدمہ کی ایف آئی آر میں صرف دفعہ ۲۹۵ تھی، جب سیشن جج اور ضلعی قاضی صاحبان کی عدالت میں مقدمہ پہنچا تو انہوں نے مرزا کا اندازِ تحریر دیکھ کر فیصلہ دیا کہ اس کے خلاف صرف دفعہ ۲۹۵ نہیں بلکہ اس سے سخت تر دفعہ ۲۹۵۔سی لگتی ہے، یہ شخص کسی قسم کی ضمانت کا مستحق نہیں ہے۔

پھر یہ کیس شریعت کورٹ آزاد کشمیر میں پہنچا تو شریعت کورٹ کے اکثریتی فیصلہ میں اس دفعہ ۲۹۵۔سی کو برقرار رکھا گیا۔ پھر یہ معاملہ سپریم کورٹ آزاد کشمیر میں پہنچا تو وہاں بھی اکثریتی فیصلہ کی بناء پر ۲۹۵۔سی کو ہی برقرار رکھا گیا۔

جس کی تفصیل "حق کا بول بالا" مطبوعہ جامعہ محمدیہ بھکھی شریف ضلع منڈی بہاؤالدین میں درج ہے۔

سپریم کورٹ کے فیصلہ میں عزت مآب، خادم ناموسِ رسالت مآب ﷺ، پاسبان عظمت نبوت، محترم القام جناب جسٹس بشارت احمد شیخ اور ان کے ہمنوا، ہمارے لئے انتہائی عزت و کرامت کے لائق، ناموسِ مصطفےٰ ﷺ کے فدائی، جناب جسٹس محمد یونس سرکھوی نے فیصلہ لکھتے وقت تحریر فرمایا۔

جسٹس محمد یونس سرکھوی اپنے بصیرت افروز فیصلہ میں لکھتے ہیں:

تاہم میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سائل/ملزم کا جرم ایسی دفعہ ۲۹۵۔سی پینل کوڈ کے تحت آتا ہے جس کیلئے سزائے موت مقرر کی گئی ہے، اور جس جرم میں ملزم کو

سزائے موت دی جاتی ہے اس میں ضابطہ کے مطابق تو ضمانت مسترد ہی ہوتی ہے کیونکہ اس میں ضمانت کی گنجائش ہی نہیں۔ میرے پیش کردہ نقطۂ نظر کی تصدیقِ مزید کیلئے حاجی رحمت اللہ اور غلام نبی کے درج کردہ فیصلوں کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو کہ ۱۹۷۹ء پی سی آر ایل اے ۳۶ اور ۱۹۸۰ پی سی آر جے ۴۴۶ میں محفوظ ہیں۔

سپریم کورٹ کے جسٹس جناب بشارت احمد شیخ اپنے حقیقت رقم فیصلہ میں لکھتے ہیں:

میں نے نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ متنازعہ کتاب کا ایک سے زائد مرتبہ مطالعہ کیا ہے

اور دورانِ مطالعہ یہ بات بھی میرے پیشِ نظر رہی ہے کہ مصنف ایک پروفیسر ہے اور اسے چند فتوؤں کی حمایت بھی حاصل ہے، اور میں بلا تامل اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مصنف نے قرآن واحادیث اور کئی فاضل مفسرین کے حوالہ جات نقل کئے ہیں، لیکن ان حوالہ جات کو نقل کرنے کے بعد جو اپنا تبصرہ کیا ہے اس میں ایسی زبان، ایسا لہجہ اور ایسے دلائل استعمال کئے ہیں جس سے رسول اللہ ﷺ کے نام اقدس کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔

مطالعہ کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے مؤدبانہ انداز اور مہذبانہ زبان استعمال کرنے کی بجائے ایسی زبان اور ایسا لہجہ اختیار کیا ہے جیسے وہ ایک عام آدمی کا ذکر کر رہا ہے، جبکہ وہاں پر رسول کریم ﷺ کی مقدس و محتشم ذات مراد ہے۔ (دورانِ تحریر) متعدد سوالیہ نشانات کے ساتھ مصنف نے جو زبان استعمال کی ہے اس سے توہین مترشح ہوتی ہے۔ ضمانت کے بارے میں میری محتاط اور مضبوط رائے وہی ہے جو ۲۹۵۔سی جرم کے تحت لکھی گئی ہے۔

اس لئے میں اپنے فاضل برادر جناب محمد یونس سرکھوی سے اتفاق کرتا ہوں کہ اس اپیل کو مسترد ہونا چاہیے۔

عدالت کا فیصلہ:

اکثریتی فیصلے کے مطابق اپیل مسترد کی جاتی ہے۔

سپریم کورٹ آزاد کشمیر

میرپور

۲۵ فروری ۲۰۰۰ء

اصل فیصلہ کی نقل مہیا کی جاسکتی ہے۔

سیشن جج میرپور، ضلع قاضی میرپور، شریعت کورٹ آزاد کشمیر کے دو جج صاحبان اور سپریم کورٹ کے ابتدائی دو جج صاحبان، بعد ازاں تین جج صاحبان پر مشتمل فل کورٹ نے مرزا مردود کی ضمانت تک نہیں لی کہ اس کا جرم دفعہ ۲۹۵۔سی کے زمرہ میں آتا ہے۔ آج کل حرمتِ رسول ﷺ کانفرنس کے نام سے دھوکہ دینے والی قوم نے اس مرتد کی حمایت میں ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیا۔ امامِ کعبہ سمیت ہر کسی کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرنے کے باوجود خائب وخاسر ہی رہے۔

آنکہ تقدیرِ الٰہی تدبیرِ خداوندی کے سامنے سب سر جھکائے ہوئے ہیں کہ مرتد مرزا اسخت موذی امراض میں مبتلا ہو کر دورانِ مقدمہ ہی جہنم رسید ہو گیا۔

اس تفصیلی تمہید کے بعد بندہ عرض گزار ہے کہ اس نام نہاد اہلحدیث ٹولی نے اس کی کتاب "مقام نبوت" پر خود بھی تقاریظ لکھیں، دوسروں سے لکھوائیں، اور اس کتاب کو مرکز دعوۃ التوحید اسلام آباد کے پتہ پر چھپوا کر مفت تقسیم بھی کیا۔ اس کتاب کے دیگر

مندرجاتِ گستاخانہ کے علاوہ ایک عبارت یہ بھی ہے کہ میر پوری مرتد زاہد مرزا لکھتا ہے

کیونکہ احادیث ساری کی ساری ظنی ہیں۔

زاہد مرزا ''مقامِ نبوت'' مطبوعہ مرکز دعوۃ التوحید اسلام آباد ایک بندۂ ناچیز اس مرتد کے جملہ بہی خواہوں بالخصوص اہلحدیث کا مُقدّس مُقدّس لیبل لگا کر فریب کاری کا جال بچھانے والوں سے بالعموم اور اس کی کتاب میں درج مؤیدین۔

محمد بن عبداللہ	السبیل المکی مکہ مکرمہ
مولوی محمد مدنی	رئیس جامعۃ العلوم الاثریہ جہلم نائب امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان
مولوی فضلِ ربی	انچارج اسلامک سنٹر فیصل مسجد اسلام آباد
سینیٹر ساجد میر	امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان
مولوی محمد یونس اثری	خطیب اہلحدیث مظفر آباد
محمد عبدالہادی العمری	امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ
عبدالشکور	خطیب جامع مسجد میر پور
قاری محمد حسین	سابق خطیب مسجد اہلحدیث میر پور
قاری اعظم صاحب	خطیب جامع مسجد اہلحدیث میر پور
محمد صدیق	خطیب جامع مسجد نانگی اہلحدیث میر پور
مولوی عبدالصمود	میر پور

سے یہ دریافت کرنے کی جسارت کرتا ہے کہ بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے کہ احادیث ساری کی ساری ظنی ہیں۔

یا یہ غلط ہے۔ اگر یہ کہنا غلط ہے تو تم نے اس ظالم کی حمایت کیوں کی اور اس کتاب کی توثیق میں فتوے کیسے جڑ دیئے' اور یہ کہنا صحیح تسلیم کرتے ہو تو اہلحدیث کے مقدس نام سے دھوکہ دینا بند کرو کیونکہ دنیائے حدیث شریف میں تم اس ایک بھی ایسے محدث کا نام نہیں بتا سکتے جس نے یہ کہا ہو کہ احادیث ساری کی ساری ظنی ہیں۔

اہل العلم بالحدیث مختصراً اہلحدیث تو حدیثِ متواتر کو قطعی مانتے ہیں' تم کس نسل کے اہلحدیث ہو جو ساری احادیث کو ظنی تسلیم کر رہے ہو۔

قارئین محترم! یہ مختصر سا جملہ' احادیث ساری کی ساری ظنی ہیں' صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اسلام کی ساری کی ساری عمارت (معاذ اللہ) منہدم ہو جائے گی۔ مثلاً نمازوں کی تعداد' نمازوں کی رکعات' نمازوں میں دو دو سجدے' اسی طرح زکوٰۃ کی تفصیل' مقدار زکوٰۃ' نصابِ زکوٰۃ' حج کے فرائض وواجبات کی تفصیل' الغرض کوئی بھی فرض حدیث شریف کے بغیر مکمل شکل میں کوئی نہیں دکھا سکتا۔ کیا یہ سب چیزیں ظنی ہوں گی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

بات بہت زیادہ طویل ہو گئی' غرض صرف اس قدر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

يقولون من قول خير البرية

کہ خارجی لوگ حدیث والے کہلائیں گے۔

کا مصداق صد فیصد یہ لوگ ہے' اندرونِ خانہ حدیث شریف کے دُشمن ہیں' بظاہر حدیث شریف کا نام استعمال کرتے ہوئے اپنے باطل نظریات کو چھپائے ہوئے ہیں' انہیں جب بھی موقع ملا ہے انہوں نے خارجیت ہی کی آواز بلند کی ہے اور بھی موقع ملے گا خارجیت ہی کا ہو کہ دیں گے' رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ برحق ہے۔

کنز العلماء کی سعیِ مشکور

گذشتہ دنوں ماہ مارچ میں عزیز از جان ظہور بالسرور سلمہ الغفور الشکور عزیزم کنز العلماء ڈاکٹر علامہ محمد اشرف آصف جلالی سلمہ اللہ نے غائبانہ نماز جنازہ سیمینار منعقد کر کے جو علم و تحقیق کا دربار رواں کیا تھا وہ علم حدیث سے بے بہرہ' نام کے اہلحدیث حضرات پر کوہِ گراں بن کر گرا ہے کیونکہ اس وقت غائبانہ نماز جنازہ ان کی دوکان داری چمکانے کا عظیم ذریعہ ثابت ہو رہا ہے۔ وقت آنے کے ساتھ ساتھ یہ حقائق قوم کے سامنے آجائیں گے کہ یہ قوم کس طرح نوجوانوں کو جہاد کے نام پر لے جاتی اور پھر خود انہیں تہ تیغ کر کے غائبانہ نماز جنازہ کا اشتہار دے دیتے ہیں اور لوگوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔

ان حضرات نے کنز العلماء کے خلاف ایک محاذ کھول لیا ہے' انشاء اللہ تعالیٰ عزیزم کنز العلماء کو اللہ جل جلالہٗ نے یہ صلاحیت و استعداد سے مالا مال کر رکھا ہے کہ وہ ان کے جملہ اعتراضات کا مسکت جواب بھی دیں گے اور ان کی بے مائیگی سے پردہ بھی اُٹھائیں گے' اور حدیث شریف میں ان کی گئی بددیانتیوں کو بے نقاب بھی کریں گے۔

بندۂ ناچیز کنز العلماء اور اُن کے تمام رفقاء کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے جنہوں نے اس سیمینار کا اہتمام کیا' اور بندہ ان حضرات سے یہ بھی توقع رکھتا ہے وہ اپنے علمی تحقیقی پروگراموں سے اہلِ علم و خدّامِ علم کے قلوب و اذہان کی تازگی کا سامان فراہم کرتے رہیں گے۔

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

طارق جمیل ایک جاہل اور گمراہ کن واعظ

تبلیغی جماعت کے متعلق علماء اہلسنت نے تیس سے زیادہ کتب رقم فرما کر اس کے گمراہ کن عقائد و نظریات اور طریقہ واردات کو بے نقاب کیا میں نے ان میں سے بیس سے زیادہ تصانیف کو ایک ضخیم کتاب و تبلیغی جماعت کے عقائد و نظریات اور طریقہ واردات میں جمع کیا ہے عنقریب چھپ کر منظر عام پر آجائے گی ان شاء اللہ۔

آج کل تبلیغی جماعت نے سستی شہرت حاصل کرنے کا یہ طریقہ ڈھونڈا ہے کہ گلوکاروں اور مشہور کھلاڑیوں کو اپنی جماعت میں گھیر کر لاتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرتے ہیں اور دوسرا بڑا شکار وہ سیاستدان صنعت کار اور بڑے سرکاری عہدے دار ہیں جو ان کی مکروہ سرگرمیوں کو فروغ دینے میں ہر ممکن تعاون کرتے ہیں جسطرح ہر سیاسی جماعت کے پاس چند افراد ایسے ہوتے ہیں جو جماعت کا چہرہ مہرہ ہوتے ہیں ایسے ہی آج کل تبلیغی جماعت کے پاس طارق جمیل کی شکل میں ایک پُر فریب ہتھیار موجود ہے جسکا ظاہر تو بڑا خوبصورت ہے لیکن باطن ایسا مکروہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا خبث باطن اسکی اپنی جماعت پر بھی عیاں ہونے لگا ہے۔

ویسے تو تبلیغی تیجے ساتے دسویں چالیسویں سالانہ چلوں نے ان کے مذہب کی بنیادی ہلا دی ہے کہ اپنے مذہب کی بنیادی کتابوں کے قواعد و ضوابط کے مطابق یہ بدعتی گمراہ اور بے دین ہیں۔ تبلیغی نصاب نے جہاں ان کی "درود دشمنی" کو بے نقاب کیا، وہاں انکی جہالتیں اور گمراہ کن عقائد و نظریات بھی سامنے آئے۔ وہ جو دوسروں کو حکایتوں روایتوں من گھڑت قصوں کہانیوں کا مذہب قرار دے کر طعنے

دیتے تھے ان کی اپنی جہالتیں بے نقاب ہو گئی ہیں۔

طارق جمیل موجودہ دورہ کا ایک عظیم فتنہ ہے جو اپنی جہالت کے انجیکشن عوام و خواص کو اپنی چرب زبانی سے لگا کر ان کی آخرت برباد کرنے کی کوشش کر رہا ہے علماء اہلسنت نے اس کی گمراہیوں کو کئی مضامین اور تقریروں میں بے نقاب کیا۔ اہل سنت و جماعت کی پندرہ سو سالہ تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ اہل سنت و جماعت نے ہر دور میں گمراہ فرقوں اور جماعتوں کا ہر محاذ پر مقابلہ کیا اور عوام اہلسنت کو ان سے الگ رہنے اور بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آج کے دور میں بھی پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری جیسے شخص کی گمراہیوں اور اہلسنت کے عقائد و نظریات سے خروج کو بے نقاب کرنے کے لیے بیس سے زیادہ کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔ اہلسنت و جماعت کی دیکھا دیکھی دیو بندیوں نے بھی طارق جمیل کی گمراہیوں جہالتوں اور بیوقوفیوں کو آشکارا کرنا شروع کر دیا ہے اسکی مثال یہ مضامین ہیں جو ہم اس کتاب "مقالات جلالی" کے آخر میں شامل کر رہے ہیں تا کہ سب پر واضح ہو جائے کہ طارق جمیل کیا کیا گل کھلاتے رہتے ہیں اور انکی جہالت اور چرب زبانی سے انکی جماعت کو کیا دور رس نقصانات پہنچ رہے ہیں جہاں اس کی ظاہری چمک دمک پُر فریب ہے وہاں مستقبل میں پہنچنے والے نقصانات بھی نا قابلِ تلافی ہونگے اور تبلیغی جماعت طارق جمیل کی شکل میں اپنی قبر خود کھود رہی ہے۔

آیئے طارق جمیل صاحب کو دیو بندی آئینے میں دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ جس گمراہ جماعت کے مرکزی مقرر اور واعظ صاحب اتنے جاہل ہیں تو دوسرے خود ساختہ تبلیغی چلے لگانے والوں کا کیا حال ہوگا؟

محمد نعیم اللہ خاں قادری

قسط ①

مولانا طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیاں اور ان کا جواب

کتبہ مولانا مفتی عبدالواحد☆

بسم اللہ حامدا و مصلیا!

حضرت مولانا مفتی عیسیٰ خان صاحب مدظلہ اور ان کے ساتھیوں کی جانب سے مولانا طارق جمیل صاحب کی کچھ تقریروں کی نقل موصول ہوئی۔ اس پر انہوں نے ہماری رائے بھی مانگی ہے۔ ہمارے ساتھیوں نے C.D پر اصل تقریر کو تحریر سے ملایا تو مطابق پایا۔ اس پر ہم نے چیدہ چیدہ امور میں مولوی طارق جمیل صاحب کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور ساتھ میں حق بات کو بھی بیان کیا ہے۔

مولانا الیاسؒ کے چلائے ہوئے کام کو ہم اپنا کام سمجھتے ہیں لیکن مولوی طارق جمیل صاحب کی علمی و عملی بے اعتدالیاں بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ اس طرح کے نادان دوستوں کی وجہ سے تبلیغ کے کام پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہو گیا ہے۔

اس لئے اگرچہ ذہن میں کچھ لکھنے کا پہلے سے پروگرام تھا لیکن اب جب کہ ایک سنجیدہ حلقہ کی طرف سے مولوی طارق جمیل صاحب کے فرمودات کی نقل بھیجی گئی تو بنام خدا الدین النصیحة اور امر بالمعروف و نھی عن المنکر کے تحت مولوی طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیوں کو کھولا ہے۔

تبلیغ کے ذمہ دار حضرات سے استدعا ہے کہ وہ خود بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں، سنجیدہ و محتاط طرز عمل اختیار کریں اور مولوی طارق جمیل جیسے جوشیلے لیکن غیر محتاط حضرات کو بے اعتدالیوں سے روکیں ورنہ یہ کام کو بھی اور کام کے ذمہ داروں کو بھی نقصان پہنچائیں گے۔

وما علینا الا البلاغ.

13 جمادی الاولیٰ 1429ھ

☆ دارالافتاء جامعہ مدنیہ کریم پارک، لاہور

پہلی بحث: عصمت یا حفاظت صحابہ رضی اللہ عنہم

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں:

''اگر آپ ﷺ (خلیفہ) متعین کرتے اور پھر اس پر کوئی انکار کرتا تو یہ ہلاک ہو جاتا۔ اور دوسری بات بھی تھی کہ آپ ﷺ متعین کرتے اور اس میں کوئی کمی ہوتی اور ہونی تھی۔ چونکہ اب یہ دنیا کی تاریخ میں پہلی دفعہ ہونے لگا ہے کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم بیٹھے گا تو غیر معصوم ہے ہی اس لئے کہ اس نے خطا کرنی ہے۔ اللہ کے نبی انتخاب فرما کے اپنی جگہ بٹھا دیں پھر اس میں کوئی کمی کوتاہی آئے تو وہ اللہ کے نبی کی طرف منسوب ہو گی...... تو یہ دو چیزیں تھیں۔ اللہ کے نبی تعیین کے بغیر چلے گئے۔ تعیین کرنے سے کوئی انکار کرتا۔ انکار تو ہونا تھا۔ اب سعد بن عبادہ نہیں مانے آخر تک نہیں مانے۔ خالد بن سعید بن عاص نہیں مانے۔ علی نہیں مانے بعد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد بیعت فرمائی۔ خالد بن سعید نے بھی چار پانچ مہینے لگا دیے تھے پھر جا کے بیعت فرمائی۔ تو تعیین کے بعد فرض کرو یہ سارے ہی مان جاتے جب اللہ کے نبی نے کہہ دیا تو پھر کون انکار کرتا؟ سارے ہی مان جاتے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو کمی بیشی ہونی تھی بطور انسان۔ نہ ہم ان کو معصوم سمجھتے ہیں نہ محفوظ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی میں تمہیں بار بار کہتا ہوں۔ یہ غلو ہے شیعوں کے رد میں حد سے تجاوز کرنا۔ ہم کسی کے رد میں اپنا راستہ نہ چھوڑیں گے...... تو چونکہ یہ ہونے والا تھا ان سے بشری خطا ہونی تھی اس پر کوئی اگر تبصرہ کرتا یہ کیا کر دیا تو یہ طعن اللہ کے نبی کی طرف ہو جاتا تھا۔ یہ اشد تھا ہلاکت کے لئے...... ابوبکر رضی اللہ عنہ 99 فیصد عصمت کے قریب ہو گئے لیکن 100 نمبر نہیں لے سکے۔ 100 نمبر لینے والا تو معصوم ہوتا ہے لہٰذا ہم انہیں ساڑھے 99 نمبر تو دے سکتے ہیں آدھا چھوڑ دیں گے تا کہ نبی اور غیر نبی میں فرق رہے۔''

ہم کہتے ہیں

مولوی طارق جمیل صاحب نے اس مقام میں کئی غلطیاں کی ہیں جن کا بیان ذیل میں ہے:

1۔ مولوی طارق جمیل صاحب کو اول تو عصمت کا مطلب ہی معلوم نہیں۔ عصمت کا مطلب ہے۔

خلق مانع عن المعصية غير ملجئ اى بل يبقى معه الاختيار.

عصمت ایسا خُلق اور وصف ہے جو بغیر مجبور کئے معصیت سے روکتا ہے یعنی اس وصف کے ساتھ اختیار باقی رہتا ہے۔

والتعريف الثانى (اى التعريف المذكور) يلائم قول الامام ابى منصور الماتريدى

العصمة لا تزيل المحنة اى الا بتلاء المقتضى لبقاء الاختيار. قال صاحب البداية و معناه يعنى قول ابى منصور انها لا تجبره على الطاعة ولا تعجزه عن المعصية بل هى لطف من الله تعالىٰ يحمله على فعل الخير و يزجره عن فعل الشرمع بقاء الاختيار تحقيقا للا بتلاء اه. (المسامره على المسايره ص 205).

عصمت کی مذکورہ بالا تعریف امام ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ کے اس قول کے موافق ہے کہ عصمت سے ابتلاء اور آزمائش زائل نہیں ہو جاتی جو اختیار کے باقی رہنے کا تقاضا کرتی ہے۔

صاحب بدایہ کہتے ہیں کہ امام ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عصمت کی وجہ سے نبی نیکی کرنے پر مجبور اور معصیت کرنے سے عاجز نہیں ہو جاتا بلکہ عصمت تو اللہ تعالیٰ کا لطف اور اس کی مہربانی ہوتی ہے کہ جو نبی کو بھلے عمل پر ابھارتی ہے اور برے عمل سے روکتی ہے اور عصمت کا یہ عمل اسی وقت ہو سکتا ہے جب نبی کا اختیار باقی ہو۔

غرض عصمت گناہ و معصیت سے ہوتی ہے غلط فہمی یا اجتہاد میں خطا اور چوک ہونے سے نہیں ہوتی۔ انبیاء علیہم السلام سے ان کے معصیت سے معصوم ہونے کے باوجود خطا یا غلط فہمی کا صدور ہو سکتا ہے۔

(2) انبیاء علیہم السلام معصیت سے معصوم ہوتے ہیں۔ کوئی غیر نبی بھی معصیت سے معصوم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے بارے میں شریعت خاموش ہے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اپنی کتاب عبقات میں لکھتے ہیں۔

''بعض لوگوں کو اس مسئلہ پر شدت سے اصرار ہے کہ پیغمبروں کے سوا عصمت کی صفت کا انتساب کسی دوسرے کی طرف جائز نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس سے کیا مطلب ہے؟

اگر یہ غرض ہے کہ پیغمبروں کے سوا کسی دوسرے کے لئے عصمت کی صفت شریعت سے ثابت نہیں تو علاوہ اس اعتراض کے یعنی آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق جو یہ فرمایا ہے کہ الحق ينطق على لسان عمر (یعنی حق عمر کی زبان پر بولتا ہے) یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا دار الحق مع على حيث دار (یعنی علی کے ساتھ حق گھوم جاتا ہے جدھر بھی علی گھومے) پیغمبر کے ان اقوال کی یا ان ہی جیسے دوسرے اقوال جن کا منشاء بھی یہی ہے ان سب کی خواہ مخواہ تاویل کرنی پڑے گی۔

اور اگر ان کی غرض یہ ہے کہ واقع میں پیغمبروں کے سوا عصمت کی صفت کسی دوسرے انسان کے لئے ثابت نہیں ہو سکتی تو ظاہر ہے کہ اس دعویٰ کے اثبات میں دلیل پیش کرنا ان کا فرض ہے کیونکہ شرعی طور پر زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ شریعت پیغمبروں کے سوا دوسروں کی عصمت کے متعلق خاموش ہے لیکن کسی

چیز سے خاموشی کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ شریعت اس کی منکر ہے۔

(علاوہ ازیں) مسئلہ میں کچھ تفصیل بھی (ہو سکتی) ہے یعنی عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عصمت مطلقہ جس کا مطلب یہ ہے کہ (زندگی کے سارے شعبوں) افعال و اعمال و اقوال و علوم میں عصمت کو ثابت کیا جائے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ جس منصب کے فرائض اس شخص کے سپرد ہوئے ہیں اس منصب سے جن امور کا تعلق ہے ان میں وہ معصوم ہوتا ہے یعنی غلطی ان خاص امور میں اس سے صادر نہیں ہو سکتی.....'' (عبقہ 11 اشارہ 4)

3- مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو کمی بیشی ہوئی تھی بطور انسان''

سب سے پہلے تو ہم مولوی طارق جمیل صاحب سے یہ پوچھیں گے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو بشری خطا ہوئی وہ کیا تھی؟ اسی طرح اگر وہ ہمیں خلفائے اربعہ کی بشری خطاؤں کی فہرست فراہم کر دیں تو ہم بھی اپنی ایمانیات پر نظر ثانی پر مجبور ہو جائیں گے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ کمی بیشی میں دو احتمال ہیں:

I- اگر کمی بیشی سے مراد معصیت ہے تو یہ بڑی جسارت کی بات ہے کہ انبیا علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان کی طرف کسی شرعی یا حسی دلیل کے بغیر ہی معصیت کی نسبت کی جائے کیونکہ یہ کہنا کہ وہ آدھا فیصد گناہگار ہیں سب و تنقید میں شمار ہوتا ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

i- عن ابی سعید الخدری قال قال النبی ﷺ لا تسبوا اصحابی فلو ان احد کم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احد ھم ولا نصیفہ. (بخاری و مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا مت کہو (ان پر تنقید مت کرو اور ان کے بارے میں کوئی نازیبا کلمہ منہ سے نہ نکالو کیونکہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ان کا ایمان و یقین اور دین کے لئے ان کی قربانیاں انتہائی درجے کی ہیں۔ انہی باتوں سے اعمال کی قیمت لگتی ہے اور بڑھتی ہے۔ اور تم ان کے درجے کے نہیں ہو) تو تمہارا کوئی شخص اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو (قدر و قیمت کے اعتبار سے) وہ ان کے کسی ایک کے ایک مد (یعنی 3/4 کلو) یا (بلکہ اس کے) نصف مد (یعنی 3/8 کلو) کے برابر کو بھی نہیں پہنچے گا۔

ii- ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی بات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ناراض کر دیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معافی بھی مانگی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ مانے۔ حضرت ابوبکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ بعد میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ندامت ہوئی اور وہ بھی ان کو ڈھونڈتے ہوئے مجلس نبوی میں پہنچ گئے۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعہ سنانا شروع کیا۔

فجعل وجہ رسول ﷺ یتمعر حتی اشفق ابوبکر فجثا علی رکبتیہ فقال یا رسول اللہ واللہ انا کنت اظلم.....فقال رسول اللہ ﷺ ھل انتم تارکو لی صاحبی ھل انتم تارکو لی صاحبی انی قلت یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا فقلتم کذبت و قال ابوبکر صدقت. (بخاری).

اس پر رسول اللہ ﷺ (سخت غصہ ہوئے اور آپ) کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا اور وہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم زیادتی میں نے ہی کی تھی۔ تاہم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میری خاطر میرے دوست کو نہیں چھوڑ سکتے؟ کیا تم میری خاطر میرے دوست کو نہیں چھوڑ سکتے؟ (اس وقت کو یاد کرو جب شروع میں) میں نے کہا تھا اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں تو (شروع میں) تم سب نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو اور (یہ صرف) ابوبکر (تھے جنہوں) نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سچی شکایت کرنے کا موقع نہیں دے رہے۔ مولوی طارق جمیل صاحب اپنی نادانی سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آدھا فیصد گناہگار قرار دینے پر مصر ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

II- اور اگر کمی بیشی سے مراد اجتہادی غلطی و خطا ہے تو اول تو یہ کوئی عیب کی بات ہی نہیں ہے۔ دوسرے خلفائے راشدین اور خصوصاً حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اجتہاد کو شارع کی نظر میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

i- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین. (احمد)

لازم پکڑو میری سنت کو اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو۔

ii- عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ ﷺ انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر. (ترمذی و احمد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں تم میں (مزید کتنی مدت رہوں) گا۔ (تو) تم میرے بعد دونوں ابوبکر و عمر جو ہوں گے ان کی اقتدا کرنا۔

تنبیہ: اجتہادی غلطی کی اگر اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے نشاندہی کر دی جائے تو صرف اسی وقت وہ یقینی طور پر خطا ہوگی جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ

تقتلک الفئة الباغية.

تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔

شریعت کی نظر میں باغی اس کو کہتے ہیں جو امام حق کے خلاف ناحق خروج کرے اگرچہ اس کی بنیاد اس کے اجتہاد پر ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور حدیث نے بتایا کہ وہ امام حق کے خلاف ناحق تھا۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کا خطا ہونا ہمیں معلوم ہو گیا۔

خلفائے اربعہ کے کسی اجتہاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایسی کوئی تصریح تو کیا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ ان کا اجتہاد اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں پسندیدہ نہیں تھا۔

4- مولوی طارق جمیل صاحب خلیفہ کی تعیین نہ ہونے کی ایک حکمت یہ بتاتے ہیں کہ "تعیین کرنے سے کوئی انکار کرتا۔ انکار تو ہونا تھا ..... " یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا یا آپ کو قوی اندیشہ تھا کہ انکار تو ہوگا ہی۔ اور تعیین کے بعد انکار سخت ہلاکت کی چیز ہے۔ اس سے بچانے کے لئے آپ نے خلیفہ کی تعیین ہی نہیں کی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ سے یہ اطمینان نہیں تھا کہ میں تعیین کر دوں تو سب مان لیں گے۔ اسی لئے طارق جمیل صاحب کہتے ہیں "تعیین کے بعد فرض کرو یہ سارے ہی مان جاتے"۔ یعنی آپ ﷺ کو قوی اندیشہ تھا تو یہی تھا کہ سب نہ مانیں گے۔ اور سب کے ماننے کو صرف فرض ہی کیا جا سکتا ہے۔

دوسری بحث: دفاع صحابہ

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

"دوسری بات یہ ہے کہ ہم شیعوں کے رد میں صحابہ کو بھی معصوم بنانے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں ان کی خطا کی تاویل کرنا شروع کر دیتے ہیں تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس یہ ایک آیت کافی ہے وکلا وعد اللہ الحسنیٰ تاویل نہ کرو مانو خطا ہوئی ہے۔ خطا کی تاویل کرنا تو کمزور راستہ ہے ... امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کتاب لکھی مولانا تقی عثمانی صاحب نے وہ تاویل میں پڑے ہیں ... جگہ۔ کئی جگہ وہ تاویل بڑی کمزور ہے۔ تو یہ تاویل کا راستہ صحیح نہیں ہے۔ ان کی براءت ہمارے ایمان کا حصہ ہے وہ حق تھے معصوم نہیں تھے انبیاء نہیں تھے محفوظ بھی نہیں تھے..... اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ تو صحابہ کا دفاع یوں ٹھیک نہیں ہے کہ ان کی غلطیوں کی تاویل شروع کر دو۔"

ایک دوسری جگہ مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

"بس یہ بات ذہن میں رکھو کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے مقابلے میں خطا پر تھے..... خطا میں چونکہ بددیانتی نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ کو صحیح سمجھ کے کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی خطا مغفور ہے بس۔ اب ہمیں تاویل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ (کسی طالب علم نے سوال کیا کہ یہ اجتہادی غلطی تھی تو اس پر مولانا کا جواب تھا) ارے یہ تو سب ہمارے سابقے لاحقے ہیں خطا تھی۔"

ہم کہتے ہیں:

1- عجیب بات ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا کی تو مولوی طارق جمیل صاحب خود تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں بددیانتی نہیں تھی بلکہ وہ اپنے آپ کو صحیح سمجھ کے کر رہے تھے جس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کر رہے تھے کسی نفسانی خواہش یا طلب دنیا کی خاطر نہیں کر رہے تھے۔ ایسے میں جو خطا ہو وہ خطائے اجتہادی ہی تو کہلاتی ہے۔ لیکن مولوی طارق جمیل صاحب کو کچھ پتہ ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں اور ایک طالب علم کے یہ کہنے پر کہ یہ اجتہادی غلطی تھی ان کو چاہئے تھا کہ کہتے کہ ہاں ٹھیک ہے اور اہلسنت کا موقف بھی یہی ہے اور اسی وجہ سے ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ان پر عیب لگائیں۔ اس کے بجائے انہوں نے اجتہادی کی قید کو ہمارے سابقے لاحقے کہہ کر اس کی اہمیت ہی ختم کر دی اور ایک دوسرے طالب علم کے یہ کہنے پر کہ اس کا مطلب ہے کہ صحابہ دنیا کے طلبگار تھے یہ آیت پڑھ دی کہ منکم من یرید الدنیا اور اس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا کو بددیانتی اور طلب دنیا کے ساتھ ملا دیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

2- دوسری اہم بات یہ ہے کہ تاریخ میں یا حدیث کی کتابوں میں کچھ کبار یا نسبتاً زیادہ اہمیت والے صحابہ کے بارے میں بعض باتیں مجمل یا مبہم انداز میں ملتی ہیں جو بظاہر ان پر اعتراض کا باعث بنتی ہیں کہ وہ باتیں انہوں نے بددیانتی یا حماقت یا طلب دنیا میں کی ہیں۔ خاص طور سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایسی روایات کی وجہ سے شیعوں نے اور مودودی صاحب ... نے بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ اب مولوی طارق جمیل صاحب تو یہ مت دیتے ہیں کہ ان اعتراضوں کا جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں بس تسلیم کر لو کہ ان صحابہ نے غلطیاں کی ہیں البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا ہے اور ان سے آخرت میں

اچھاوعدہ فرمایا ہے۔ مولوی صاحب کی یہ روش انتہائی غیر معقول ہے۔ صحابہ پر کوئی بھی انگلی اٹھادے۔ طارق جمیل صاحب کی ہدایت ہے کہ بس صحابہ کی غلطی مان لوخواہ حقیقت میں وہ غلطی ہو یا نہ ہو۔

دیگر علماء کی قرون اولی سے یہ روش رہی ہے کہ جو صحابہ کی واقعی غلطی نہیں تھی اس میں ان کا دفاع کرتے تھے اور روایت کے ظاہری مطلب سے ہٹا کر صحیح بات بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اسی عمل کو تاویل کرنا کہتے ہیں اور اسی کو دفاع صحابہ بھی کہتے ہیں۔ دیکھئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہیں۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ يُرِيْدُ حَجَّ الْبَيْتِ فَرَاٰى قَوْمًا جُلُوْسًا فَقَالَ مَنْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ قَالُوْا هٰؤُلَاءِ قُرَيْشٌ قَالَ فَمَنِ الشَّيْخُ فِيْهِمْ قَالُوْا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ شَيْءٍ فَحَدِّثْنِيْ هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ أُحُدٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَدْرٍ وَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُ أَكْبَرُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ تَعَالَ أُبَيِّنْ لَكَ أَمَّا فِرَارُهُ يَوْمَ أُحُدٍ فَأَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ عَفَا عَنْهُ وَ أَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَدْرٍ فَإِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ رُقَيَّةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَتْ مَرِيْضَةً فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ فَلَوْ كَانَ أَحَدٌ أَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ عُثْمَانَ لَبَعَثَهُ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُثْمَانَ وَكَانَتْ بَيْعَةُ الرِّضْوَانِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ عُثْمَانُ إِلَى مَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذِهِ يَدُ عُثْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا عَلٰى يَدِهِ وَقَالَ هٰذِهِ لِعُثْمَانَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اِذْهَبْ بِهَا الْآنَ مَعَكَ. (بخاری)

حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب کہتے ہیں اہل مصر کا ایک شخص حج بیت اللہ کے ارادہ سے (مکہ مکرمہ) آیا۔ یہاں اس نے (ایک جگہ) کچھ لوگوں کو (اکٹھے) بیٹھے دیکھا تو پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ خاندان قریش کے (بڑے) لوگ ہیں۔ اس نے پوچھا ان میں بڑے عالم کون ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (وہ شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا اور) اس نے کہا اے ابن عمر مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے تو آپ مجھے جواب دیجئے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جنگ احد کے موقع پر (جب مشرکین کی فوج نے پہاڑی کے پیچھے سے پلٹ کر حملہ کیا تھا تو) عثمان فرار ہو گئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں (ایسا ہی تھا)۔ اس شخص نے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان جنگ بدر سے غائب رہے تھے اور اس میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں (ایسا ہی تھا)۔ اس شخص نے

پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان بیعت رضوان سے بھی غائب رہے تھے اور اس میں شریک نہ تھے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں (ایسا ہی تھا)۔ اس شخص نے (یہ سمجھا کہ ہم جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف الزام لگاتے ہیں ان کی تائید و تصدیق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کر دی ہے اور اس سے اب لوگ لاجواب ہو جائیں گے اور یہ ہمیں بڑی کامیابی حاصل ہو گئی ہے اس لئے اس نے خوشی سے) اللہ اکبر کہا۔ اب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا میرے قریب آ جاؤ (اور اپنی ان باتوں کی تفصیل بھی سن لو جو) میں تمہارے لئے بیان کرتا ہوں۔ رہا عثمان کا جنگ احد سے فرار تو (اس وقت اچانک حملہ سے بہت سے صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اگرچہ بعد میں وہ سنبھل گئے اور پلٹ آئے لیکن اصل بات کی) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی اس کو معاف فرما چکے ہیں (اور یہ معافی قرآن پاک کے اندر موجود ہے تو معافی کے بعد عیب لگانا کیسے جائز ہے؟)

رہی جنگ بدر سے ان کی غیر حاضری تو بات یہ ہے کہ ان کے نکاح میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی رقیہ تھیں جو اس وقت بیمار تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے (عثمان کو ان کی دیکھ بھال کرنے کو کہا تھا اور ان کو جو یہ خیال ہوا کہ میں جہاد میں شرکت سے محروم رہوں گا تو آپ ﷺ نے خود) ان سے فرمایا کہ تمہیں جنگ بدر میں شریک ہونے والے کا ثواب ملے گا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے) ان کو مال غنیمت میں سے (برابر کا) حصہ بھی دیا۔

رہی بیعت رضوان میں ان کی عدم شرکت تو اگر (رشتہ داری کے اعتبار سے) مکہ مکرمہ میں کوئی دوسرا صحابی ان سے زیادہ عزت دار ہوتا تو آپ ﷺ ان کو (مشرکین سے گفتگو کے لیے مکہ) بھیجتے۔ (چونکہ ایسا کوئی نہ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا اور بیعت رضوان تو ان کے مکہ جانے کے بعد ہوئی (جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے اور مسلمان سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں) تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور وہ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ (بیعت) عثمان کے لئے ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لو اب یہ ساری باتیں اپنے ساتھ لے جاؤ (اور یہ بھی ساتھ میں بتاؤ)۔

اب کسی کی تاویل اور دفاع کو کمزور دیکھ کر مولوی طارق جمیل صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ زیادہ مؤثر دفاع کی سوچتے لیکن انہوں نے تو بے غیرتی کا سبق دینا شروع کر دیا کہ دشمنوں اور دوست نما دشمنوں کی تنقیدوں اور اعتراضوں کو سنو اور تسلیم کر لو اس کی کوئی تاویل اور دفاع نہ کرو۔ سلف صالحین نے تو ہمیں اس سے بہت مختلف سبق سکھایا ہے۔

تیسری بحث: مولوی طارق جمیل صاحب اور جہاد

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں:

پچھلی صدی میں جتنی بھی تحریکیں اٹھیں یا اہل خیر لیڈر اس میں مخلص بھی تھے...... وہ سب کے سب قوت کے زمانے کے واقعات کو دلیل بنا کر ٹکرانے کے لئے چل پڑے۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں شاملی میں مشورہ ہوا تو سب کی رائے تھی کہ قتال کرنا ہے۔ ایک بڑے عالم تھے ان کا نام ہے شیخ محمد۔ وہ کہنے لگے کہ ہم کمزور ہیں اور اس کمزوری میں یہ حکم نہیں ہے۔ تو حضرت نانوتوی نے کہا کہ کیا ہم بدر سے بھی زیادہ کمزور ہیں؟ تو اس پر وہ خاموش ہو گئے چپ ہو گئے پھر شاملی میں جنگ ہوئی...... اس میں حافظ ضامن صاحب شہید ہوئے...... اور حضرت گنگوہی زخمی ہوئے۔ پھر یہ سارے حضرات مفرور ہو گئے اور جو مولانا حاجی امداد اللہ صاحب تھے وہ ہجرت کر کے مکہ چلے گئے چھپتے چھپاتے چھپتے چھپاتے...... پھر انہوں نے وہی کیا جو مولانا شیخ محمد کہہ رہے تھے پیچھے ہٹ گئے پھر مدرسے پر آ گئے...... قوت کے واقعات کو سامنے رکھ کر...... اور ان واقعات سے استدلال پکڑ کر کام کرتے رہے...... نتیجہ یہ ہوا کہ مخلصین کی طاقتیں لگتی رہیں شہید بھی ہوئے، قید بھی ہوئے لیکن جس مقصد کے لئے اٹھے تھے اس مقصد تک نہ پہنچ سکے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مولانا الیاس رحمہ اللہ کو الہامی طور پر یہ چیز دی گئی...... اللہ کی طرف سے الہامی طور پر یہ بات سامنے آئی (کہ) ہم کمزور ہیں اور کمزور کے احکام اور ہوتے ہیں۔ تو حدیبیہ میں اس کی دلیل ہے کہ پیچھے ہٹ جاؤ اور صبر کر جاؤ...... جب کفار آ کر ارض المسلم پر قبضہ کر لیں ایک شہر پر...... لکھا ہوا ہے ٹھیک لکھا ہوا ہے...... ایک شہر پر بھی قبضہ کر لیں تو تمام امت پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے...... لیکن فرض عین ہوتا ہے استعداد کے ساتھ۔ استعداد نہیں تو ساقط ہو جاتا ہے...... تو افغانستان کی مثال دیتے ہیں آج کہ افغانستان پر قبضہ ہو گیا عراق پر قبضہ ہو گیا عراق پر قبضہ ہو گیا ساری امت پر فرض عین ہے...... اس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ فرض عین اپنی شرط کے ساتھ ہے۔ فرض عین ہے تو ساتھ استعداد بھی ہو، استعداد نہیں تو پھر صبر کرنا پڑے گا...... عز الدین بن عبد السلامؒ نے کتاب لکھی ہے...... قواعد الاحکام فی مصالح الانام...... تو وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اعلائے کلمۃ اللہ کا تحقق نہ ہو رہا ہو تو قتال ویسے ہی ساقط ہے صرف شہادت مطلوب نہیں ہے مطلوب کسی غرض کے ساتھ ہے۔'' ایوین نہیں (یعنی فضول) جانیں دیتے کا حکم (نہیں ہے)۔''

ہم کہتے ہیں:

مولوی طارق جمیل صاحب نے اس مقام پر بھی کئی غلطیاں کی ہیں:

1۔ اگر جنگ شاملی میں شیخ محمد تھانویؒ کا وہی اعتراض مان لیا جائے جو مولوی طارق جمیل نے لکھا ہے تب بھی مولانا نانوتویؒ کے جواب پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور یہ بات بھی غور کا تقاضا کرتی ہے کہ مولانا گنگوہیؒ بھی جنگ میں شریک ہوئے اور زخمی بھی ہوئے۔ معلوم ہوا کہ جہاد کی استعداد ہے یا نہیں یہ ایک امر اجتہادی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کی نظر میں استعداد موجود ہو اور دوسری کی نظر میں نہ ہو...... شیخ محمد کی نظر میں استعداد موجود نہ تھی جب کہ مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی کی نظروں میں موجود تھی اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ شاملی کی جنگ میں بالآخر شکست کے بعد جب وہ استعداد بھی باقی نہ رہی تو مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی نے براہ راست تصادم کی راہ چھوڑ دی اور مدرسہ کی لائن اختیار کی۔

2۔ مولوی طارق جمیل صاحب نے جہاد کے فرض عین ہونے والی بات کو ذکر کیا ہے فرض کفایہ ہونے کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ بظاہر یہ ہے کہ مولوی طارق جمیل صاحب کے نزدیک استعداد نہ ہونے پر نہ تو جہاد فرض عین ہے اور نہ فرض کفایہ ہے۔ اور عز بن عبد السلامؒ کے قول سے مولوی صاحب نے یہ نتیجہ نکالا کہ جہاد کے نام سے جو کوششیں ہو رہی ہیں چونکہ ان سے اعلائے کلمۃ اللہ کا تحقق نہیں ہو رہا اور جہاد کی غرض پوری نہیں ہو رہی اس لئے جہاد و قتال ساقط ہے اور چونکہ غرض حاصل ہونے کے آثار بھی موجود نہیں ہیں کیونکہ اتنی طاقت نہیں ہے اس لیے جو لوگ جہاد کے نام پر اپنی جانیں دے رہے ہیں وہ فضول میں دے رہے ہیں کیونکہ غرض کے بغیر شہادت مطلوب شرعی نہیں بنتی۔

مولوی طارق جمیل صاحب کے ذکر کردہ فلسفہ کو مان لیا جائے تو موجودہ دور میں پوری دنیا کے مسلمانوں کے پاس جہاد و قتال کرنے کی طاقت و استعداد تو ہے نہیں۔ لہٰذا ان کو جہاد نہیں کرنا چاہئے اور موجودہ دور جہاد و قتال سے خالی رہنا چاہئے جب کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة. (بخاری و مسلم)

میری امت کا ایک حصہ حق کی خاطر لڑتا رہے گا قیامت کے دن تک ظاہر (و باہر اور غالب) رہے گا (یعنی کہ جہاد کرنے والوں کا سلسلہ شکست کھا کر بالکل ختم ہی ہو جائے اور بیٹھ رہے)۔

یہ بتائیے حدیث میں ایک خبر ہے جس کے مطابق بظاہر استعداد نہ ہونے کی حالت میں یعنی موجودہ دور میں بھی لوگ حق پر قتال کریں گے اور وہ کیا ہی قابل تعریف لوگ ہوں گے جو حق کے لئے جانیں دے

رہے ہوں گے اگرچہ مقصد حاصل نہ ہو۔ اور اگر اس حدیث کو انشاء کے معنی میں بھی لیں تب بھی اس کا تقاضا یہی ہے کہ ہر دور میں جہاد ہوتا رہے۔ لیکن مولوی طارق جمیل صاحب کو ان سب حقائق سے کیا غرض ہے ان کے فتوے کی رو سے تو یہ سب لوگ فضول جانیں دے رہے ہیں اور جہاد کا نام بدنام کر رہے ہیں۔

3- مولوی طارق جمیل صاحب کی یہ بات ان پر عزیمت حضرات پر طعنہ زنی ہے جو عراق، افغانستان اور فلسطین میں مقاومت و جہاد اختیار کئے ہوئے ہیں اور جانی و مالی قربانیاں دے رہے ہیں۔ وہ خود قربانیاں دے رہے ہیں اور کافروں کی اتحادی قوتوں کو چین نہیں لینے دے رہے۔ وہ مولوی طارق جمیل صاحب پر جہاد میں تشکیل کرانے پر تو زور نہیں دے رہے پھر مولوی صاحب کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی جماعت کی پالیسیوں سے تجاوز کر کے دوسروں کو تنقید کا نشانہ بنائیں۔

4- مولوی طارق جمیل صاحب نے یہ کہہ کر کہ "جس مقصد کے لیے اٹھے تھے اس مقصد تک نہ پہنچ سکے" یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے جہاد اسی وقت ہے جب مقصد تک پہنچنا نصیب بھی ہو۔ یہ بالکل غلط بات ہے کیونکہ مقصد کو حاصل کر لینا تو انسان کے اختیار کی چیز نہیں ہے۔ انسان کا کام ہے تبلیغ کرنا اور جہاد کرنا رہا مقصد کا حصول تو وہ اللہ کی تکوین سے ہوتا ہے۔

5- مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

"اللہ کی طرف سے الہامی طور پر یہ بات سامنے آئی۔ ہم کمزور ہیں کمزور کے احکام اور ہوتے ہیں۔ حدیبیہ میں اس کی دلیل ہے کہ پیچھے ہٹ جاؤ صبر کر جاؤ۔"

مولوی طارق جمیل صاحب خلط بحث خوب کرتے ہیں۔ بھلا بتائیے کہ جو مسلمان بدر و احد اور جنگ احزاب میں قریش سے دو دو ہاتھ کر چکے تھے اور جنگ احزاب میں رسول اللہ ﷺ یہ فرما چکے تھے کہ اب آئندہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھ کر نہ آسکیں گے تو کیا وہ مسلمان کمزور تھے؟ اور جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے ہیں تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اس خیال سے کہ شاید لڑائی کا موقع آ جائے سب سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر جہاد کی بیعت لی۔ جب قریش نے بیعت کی خبریں سنیں تو ڈر گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا۔ (تفسیر عثمانی) تو کیا یہ لوگ کمزور تھے اور لڑائی کی استعداد نہ رکھتے تھے۔ پھر مکہ کے سردار خود صلح کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ کیا صلح کے لئے کوئی کسی کمزور کے پاس بھی جاتا ہے؟ مزید برآں حدیبیہ کی صلح بظاہر ذلت و مغلوبیت کی صلح نظر آتی ہے اور صلح کی شرائط پڑھ کر بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر اور دوسرے صحابہ بھی اس صلح کی

ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون و مضطرب تھے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور ان کے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے کیوں تمام نزاعات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کر دیا جاتا (تفسیر عثمانی) کیا ان حضرات کا اضطراب محض ہوائی جوش تھا اور ان کو اپنی استعداد کا اندازہ کرنے میں غلطی لگ رہی تھی؟ مولوی طارق جمیل صاحب کو چاہئے کہ ہوش کے ناخن لیں۔

حدیبیہ کی صلح تو اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے قبول کی کہ آپ کی آنکھیں ان احوال و نتائج کو دیکھ رہی تھیں۔ جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے...... آپ بے مثال استغناء اور توکل و تحمل کے ساتھ ان کی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو اللہ و رسولہ اعلم کہہ کر تسلی دیتے رہے یعنی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے تا آنکہ یہ سورت نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام فتح مبین رکھا...... حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کی بیعت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم ﷺ کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور درگزر سے کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر ان کے بے ہودہ مطالبات پر قطعاً برافروختہ نہ ہونا یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مدد و رحمت کے استجلاب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی اور روحانی طاقت اور پیغمبر علیہ السلام کی شان پیغمبری کا سکہ بٹھا رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)۔

کہاں صلح حدیبیہ کی یہ وجوہات اور کہاں مولوی طارق جمیل صاحب کی کوتاہ چشمی فیاللعجب۔ (جاری)

مولانا طارق جمیل صاحب کی بے اعتدالیاں اور ان کا جواب

مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد★

چوتھی بحث

مولوی طارق جمیل صاحب اور دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

"ایک اور نسبت ہمیں اپنے محبوب ﷺ سے وہ ختم نبوت کی ہے......
تبلیغ کا کام ہمیں لا نبی بعدی سے مل رہا ہے......
تبلیغ کا کام منیٰ کی وادی سے آیا ہے......

اس کام کے لئے پہلے نبیوں کو چنا، اب ہمیں چنا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کا مجمع ہے منیٰ کی وادی ہے......جس کے خطبے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا فلیبلغ الشاھد الغائب شاہد غائب تک پہنچا دیں۔ آپ ﷺ کہتے میرا پیغام عالم غائب تک پہنچادیں تو تبلیغ پھر صرف علماء کا کام ہوتا...... اگر اللہ تعالیٰ کا رسول کہتا فلیبلغ العامل الغائب (عمل کرنے والے تبلیغ کریں)......تو......کوئی بڑے بڑے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے اور مجدد الف ثانی جیسے......اور معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسے اور علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسے فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسے ایسے اللہ کے نیک پاک لوگ تبلیغ کرتے اور ہماری چھٹی ہوتی لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے نہ تو یہ کہا کہ فلیبلغ العالم نہ یہ کہا کہ فلیبلغ العامل۔

اللہ کے نبی ﷺ نے کہا فلیبلغ الشاھد الغائب۔ شاہد کا کیا مطلب ہے میں نے لسان العرب دیکھی......اس دن پڑھ کے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اللہ کے نبی ﷺ نے شاہد کیوں کہا ہے کہ لفظ شاہد اپنے معنی میں اتنا وسیع ہے کہ اس لفظ نے امت کے کسی فرد کو کسی طبقے کو اور کسی

★ دارالافتاء، جامعہ مدنیہ کریم پارک، لاہور

خطے میں رہنے والے کو نہیں چھوڑا۔ امت کے تمام افراد اور تمام طبقات تمام قوموں والے تمام زبانوں والوں کو اس لفظ نے باندھ دیا کہ امت کا ہر مسلمان مرد وعورت وہ اللہ کا پیغام آگے پہنچانے والا ہے۔" (بیانات جمیل ج اول ص118-120)

اسی بات کو مولانا جمشید صاحب نے اپنی ایک تحریر میں یوں لکھا ہے۔

"حدیث من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ (جو کوئی تم میں سے کوئی برائی ہوتے دیکھے تو اس کو اپنی قوت بازو سے روک دے) میں امت کا ہر ہر فرد مخاطب ہے کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اسی طرح منکر مع التنوین بھی عام ہے کوئی بھی منکر ہو ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور وہ اس کے تغیر میں لگنے کا مامور ہے اور اپنی قوت بازو سے اس کے بدلنے کا مکلف ہے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر اس سے کمتر درجہ زبان سے کہنے کا اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھنے کا ہے۔ اسی طریقہ پر بلغوا عنی ولو آیۃ میں ہر ہر امتی اس تبلیغ کا مکلف ہے آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ اپنی ذمہ داری بطور امانت امت کی طرف منتقل فرمائی اور ہر ہر امتی کو مکلف فرمادیا۔"

ہم کہتے ہیں کہ ان حضرات کا کلام دو باتوں پر مشتمل ہے۔

1- امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دعوت وتبلیغ کے کام کا ہر ہر امتی مکلف ہے خواہ مرد ہو یا عورت ہو۔

2- امت کے افراد کی یہ ذمہ داری ختم نبوت کی بناء پر ہے۔ دوسرے لفظوں میں ختم نبوت کی بناء پر یہ امت نیابت نبوت کے لئے مبعوث ہوئی ہے۔ اور منتخب کی گئی ہے۔

ان دونوں باتوں پر گفتگو کرنے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دعوت و تبلیغ کی حقیقت کو واضح کر دیا جائے۔ لیکن مندرجہ ذیل تنبیہ کو پیش نظر رکھئے۔

تنبیہ: ہم سمجھتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ ہماری ضرورت ہے، پوری انسانیت کی ضرورت ہے اور ہمارے دین کا اہم شعبہ ہے اس لئے دعوت وتبلیغ کا کام چلتے رہنا چاہئے اس کی شرعی حیثیت کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس بحث کو خود مولوی طارق جمیل صاحب اور رائے ونڈ کے دوسرے حضرات نے چھیڑا ہے۔ ہم نے ان حضرات کے غلو کرنے کی وجہ سے بادل ناخواستہ اس بحث میں حصہ لیا ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حقیقت

دین میں جن کاموں کے کرنے کو کہا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں ان کو معروف یعنی نیکی کہا جاتا ہے اور جو کام ایسے ہیں جن کا کرنا دین میں منع ہے ان کو منکر یعنی برائی کہا جاتا ہے۔معروف میں فرائض، واجبات،سنن اور مستحبات سب داخل ہیں اور منکر میں حرام اور مکروہ سب داخل ہیں۔

کسی دوسرے کو نیکی کے کام کی تلقین کرنے کو امر بالمعروف کہتے ہیں اور دوسرے کو برائی کے کام سے روکنے کو نہی عن المنکر کہتے ہیں۔

جب کوئی شخص کسی منکر اور برائی کو ہوتا دیکھے تو اس پر لازم اور فرض ہے کہ وہ اس کو اولاً (زبان سے روکے اور نہ مانے تو) اپنی قوت بازو سے روک دے مثلاً کسی کو شراب پیتے دیکھا تو اس سے شراب چھین کر بہا دے کسی کو موسیقی سنتے دیکھا تو موسیقی کے آلات توڑ دے۔ اسی طرح اور برائیوں کو ان کے طریقے سے روک دے۔حکمران اور اصحاب اختیار اپنی رعایا اور اپنے ماتحتوں کو اور والد اپنی اولاد کو اپنی قوت بازو سے برائیوں سے روک سکتے ہیں۔

اگر برائی کرنے والا مثلاً زیادہ قوی ہو اور دیکھنے والا اپنی قوت بازو سے برائی سے اس کو نہ روک سکتا ہو تو اپنے قول سے یعنی اس کو وعظ و نصیحت کرکے اور اس کو اس گناہ پر وعید سنا کر اس برائی اور گناہ سے روکنے کی کوشش کرے اور اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو اور یہ ڈر ہو کہ زبان سے منع کرنے پر بھی برائی والا اس کو شدید نقصان یا تکلیف پہنچائے گا تو کم از کم دل میں برا سمجھے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے دوسرے کو فرائض و واجبات ترک کرتے دیکھا تو اس پر لازم ہے کہ ترک کرنے والے کو امر بالمعروف یعنی نیکی کی تلقین کرے۔ یہ فریضہ بھی ہر شخص کی قدرت و طاقت کے مطابق ہوگا مثلاً کوئی شخص فرض نماز ترک کرتا ہے تو اصحاب حکومت و اختیار اس کو قید کرسکتے ہیں اور دیگر اصحاب اختیار بھی اپنے ماتحتوں کو مجبور کرسکتے ہیں۔ اگر کوئی مجبور نہیں کرسکتا اور اس کو نصیحت کرسکتا ہے تو نصیحت ہی کرے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو اس کی نیکی کے ترک کو دل سے برا سمجھے۔

امر بالمعروف اور دعوت وتبلیغ میں فرق

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق فوری عمل سے ہوتا ہے یعنی کسی کو فرض نماز چھوڑتے دیکھا تو

امر بالمعروف یہ ہے کہ کوشش کی جائے کہ وہ اس وقت کی نماز پڑھے اور شراب پیتے دیکھا تو نہی عن المنکر یہ ہے کہ کوشش کی جائے کہ وہ اسی وقت شراب چھوڑ دے اور مزید نہ پیئے۔ آئندہ کسی وقت تو یہ کرنے کے لئے جو وعظ و نصیحت کی جائے اس کو دعوت وتبلیغ کہتے ہیں۔

فوری عمل اور فوری اثر کے لئے جو اقدام کیا جائے وہ حقیقت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہلاتا ہے لیکن کبھی دعوت وتبلیغ کو بھی قرآن و حدیث میں مجازاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہا گیا ہے جیسا کہ آگے مثال میں ذکر ہوگا۔

دعوت وتبلیغ کی حقیقت

امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ہٹ کر ایک اور شعبہ دعوت الی الخیر یعنی قرآن وسنت کی اتباع کی دعوت دینے کا ہے۔ یہ دعوت کافروں کو بھی ہے اور مسلمانوں کو بھی ہے۔مسلمانوں کو دین کے عقائد اور احکام و اخلاق کی دعوت ہے اور کافروں کو اسلام و ایمان کی دعوت ہے۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہو جو دعوت وارشاد کے کام کے لئے ہو اور اس کا وظیفہ ہی یہ ہو وہ اپنے قول و عمل سے دنیا کو قرآن سنت کی طرف بلائیں اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا برائی میں مبتلا دیکھیں تو اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے میں اپنی قدرت کے موافق کوتاہی نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہی لوگ کرسکتے ہیں جو معروف و منکر کا علم رکھنے اور قرآن وسنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہوں اور یہ وہی ہوسکتے ہیں جو علماء حق ہوں متبع سنت ہوں، شرک و بدعت سے دور ہوں اور دین کے اصول و فروع سے کما حقہ باخبر ہوں اور نفس کی شرارتوں سے بچتے ہوں۔ ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر یا منکر کو معروف خیال کرکے بجائے اصلاح کے سارا نظام ہی مختل کردے یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس سے بھی زیادہ منکرات کا سبب بن جائے یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کے موقع میں نرمی برتنے لگے۔ (تفسیر عثمانی ص 81)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعوت وتبلیغ کا دائرہ کار

امر بالمعروف و نہی عن المنکر جب کہ ان کا حقیقی معنی مراد ہو ان کا دائرہ دعوت وتبلیغ سے زیادہ وسیع ہے۔ عام فرائض و واجبات اور عام ممنوعات جن سے عام طور سے تمام مسلمان واقف ہوتے ہیں، عوام

بھی از خود ان کی تلقین کر سکتے ہیں لیکن دعوت و تبلیغ اصلاً اہل علم کا کام ہے البتہ وہ عوام کو ضروری تعلیم و تربیت دے کر ان سے بھی دعوت و تبلیغ کا کام لے سکتے ہیں۔

1- دعوت تبلیغ کی شرعی حیثیت

قرآن پاک میں ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَي الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

(آل عمران: 104)

''اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے''۔

اس آیت میں واضح طور سے فرمایا کہ دعوت کا کام مسلمانوں کی ایک جماعت کے ذمہ ہے اور اس جماعت سے مراد وہ حضرات ہیں جن کو قرآن وسنت کا پختہ علم حاصل ہو ہر ہر شخص کا یہ کام نہیں۔

ایک حدیث یہ ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من آمن بالله و رسوله و اقام الصلاة و صام رمضان كان حقا على الله ان يدخله الجنة جاهد في سبيل الله او جلس في ارضه التي ولد فيها. (بخاری).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے خواہ اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا وہ اپنی اسی جگہ پر ٹکا رہا ہو جہاں وہ پیدا ہوا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جہاد ہو یا دعوت کا کام ہو ہر ہر امتی پر یہ فرض نہیں ہے کیونکہ جب وہ اپنی بستی ہی میں بیٹھا رہا تو اس نے دوسروں تک دین پہنچانے کی فکر بھی نہیں کی۔ اگر یہ اس پر بھی فرض ہوتا جیسا کہ نماز روزہ ہر امتی پر فرض ہیں تو اس کے نہ کرنے پر گرفت کا اندیشہ ہونا چاہئے تھا۔

ایک اور آیت ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓ اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ.

''آپ کہہ دیجئے یہ میری راہ ہے۔ بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جس نے

میری پیروی کی''۔

اس آیت کا یہ مطلب لیا جائے کہ جو میری پیروی کرنے والے ہیں وہ بھی (اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں) تو اس سے بھی ہر ہر امتی کا مکلف ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک خبر ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پکے پیروکار دعوت کا کام کرتے ہیں۔ اور اگر یہ مطلب لیں کہ آپ کا ہر ہر پیروکار دعوت کا کام کرتا ہے تو یہ خبر خلاف واقعہ ٹھہرتی ہے کیونکہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد دعوت کا کام نہیں کرتی حالانکہ قرآن کی خبر تو غلط نہیں ہو سکتی لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ یہاں خاص قسم کے پیروکار مراد ہیں جو قرآن وسنت کا وافر علم رکھتے ہیں اور ان کو بصیرت بھی حاصل ہے۔ ہر ہر مسلمان مراد نہیں ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

چونکہ اس آیت میں امت مسلمہ سے خطاب ہے اور بتایا گیا کہ وہ لوگوں کے نفع کے لئے نکالی گئی ہے تو یہاں الناس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ابھی تک ملت کفر میں ہیں اور یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ایمانیات کو اختیار کرنے اور کفریات کو ترک کرنے کی تلقین مراد ہے۔ غرض یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مراد دعوت و تبلیغ ہے۔

اس آیت میں بھی امت مسلمہ مجموعی طور پر مراد ہے اس کا ہر ہر فرد مراد نہیں ہے کیونکہ یہاں خیر امت ہونے کی خبر دی گئی ہے اگر ہر ہر فرد کے خیر اور بہترین ہونے کا مطلب لیں تو مشاہدہ اس کے خلاف ہے اور چونکہ قرآن کی خبر تو غلط نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا امت کو بحیثیت مجموعی مراد لینا ضروری ہوگا۔

حدیث میں ہے بلغوا عنی ولو آیۃ (میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو)۔

اوپر ذکر کئے گئے قرآن وحدیث کے دلائل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دعوت و تبلیغ کا کام امت کے ہر ہر فرد کے ذمہ نہیں ہے لہٰذا ان کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوئے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اہل علم کے ذمہ ہے کہ وہ تبلیغ کریں۔

حدیث فليبلغ الشاهد الغائب کا مطلب ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جو لوگ موجود ہیں وہ غیر موجود لوگوں تک رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کو پہنچا دیں۔ ایسے خطاب میں بھی اہل علم اور اہل فہم مراد ہوتے ہیں ہر ہر شخص مراد نہیں ہوتا کیونکہ اگر الشاہد میں لام تعریف سے استیعاب مراد لیں تو اول تو صرف حجۃ الوداع کے حاضرین مراد ہوں گے پورے عالم کے مسلمان مراد نہیں ہوں گے۔ دوسرے الغائب

میں لام تعریف سے صرف دوسرے تمام مسلمان مراد ہیں یا تمام عالم کے انسان مراد ہیں۔ اگر تمام مسلمان مراد ہوں تو ہر ایک شاہد نے کیا ہر ایک غائب کو جا کر تبلیغ کی۔ ایسا یقیناً نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس کا اہتمام والتزام کرنا منقول ہے کہ ہر ایک شاہد ہر ایک مختلف غائب کو جا کر بتائے گا۔ اور اگر کیا بھی ہو تو کیا اس سے ہر ایک غائب تک بات پہنچ گئی تھی۔

علاوہ ازیں جو چیز ہر ہر امتی پر فرض ہو وہ تو امور بدیہیہ میں سے ہوتی ہے جیسے نماز اور روزہ وغیرہ حالانکہ تبلیغ کا ہر امتی پر فرض ہونا امر بدیہی نہیں ہے بلکہ عام طور سے علماء کو بھی تسلیم نہیں ہے۔ پھر اس کو ماننے سے بڑی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ مثلاً:

i- مولانا سعید خان صاحب کے کہنے کے مطابق دعوت کے کام کو چھوڑے ہوئے تیرہ سو سال ہو گئے۔ اس کے مطابق تو کچھ صحابہ، بہت سے تابعین اور سارے ہی تبع تابعین سمیت امت کا ایک بڑا حصہ فرض عین کا تارک اور گناہگار رہی ہوا۔

ii- ہر ہر امتی پر تبلیغ فرض ہو تو ظاہر ہے کہ سب تو رائے ونڈ جا کر تبلیغ کے اسلوب کو نہیں سیکھیں گے لہٰذا بہت سے جاہل اور ناقص تبلیغ کریں گے تو دین کو فائدہ دینے کے بجائے دین کو نقصان پہنچائیں گے جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔

تنبیہ 1: دعوت و تبلیغ کا کام اگر ہر ہر امتی کے ذمہ ہو یعنی ہر ایک پر فرض ہونے کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ سوال بھی پیدا ہو گا کہ اس کی کتنی مقدار ہے جس کو ادا کرنے سے وہ بری الذمہ ہو سکے۔ جہاد جب فرض عین ہوتا ہے تو آدمی کو اپنا سب کچھ چھوڑ کر نکلنا ہوتا ہے تو کیا تبلیغ کے لئے بھی اپنا گھر بار اور کاروبار سب کچھ چھوڑ دے گا؟

تنبیہ 2: یہ اعتراض بھی بنے گا کہ جب ہر ہر امتی کے ذمہ فرض یا واجب ہے تو دیگر فرائض و واجبات کی طرح شارعؒ نے ان کے دلائل و احکام کو پوری طرح ضبط کیوں نہیں کیا تا کہ امت اس کو بھول نہ جاتی؟

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی شرعی حیثیت

دعوت و تبلیغ کے مقابلہ میں ان کے کرنے والوں کا دائرہ ہم نے زیادہ وسیع بتایا ہے اس کی دلیل یہ حدیث من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ (جو کوئی تم میں سے برائی ہوتے دیکھے تو اس کو اپنی

قوت بازو سے بدل ڈالے یعنی روک دے)۔

لیکن اس حدیث سے بھی امت کا ہر ہر فرد مراد لینا اور دنیا جہان کا کوئی بھی منکر ہو وہ مراد لینا درست نہیں بلکہ الفاظ اس بارے میں صریح ہیں کہ فقط وہ امتی مراد ہے جو برائی کو ہوتا ہوئے دیکھے یا اس کے علم میں آئے کہ فلاں جگہ میں منکر ہو رہا ہے اور وہاں کے لوگوں نے اس کو روکنے کی کوشش نہیں کی اور اس کو وہاں تک پہنچنے کی آسانی ہو اور وہ اس برائی کو روکنے پر اپنے اندر قدرت بھی پاتا ہو۔

پھر دیکھنے اور علم رکھنے والوں میں سے اگر کسی ایک نے بھی برائی کرنے والے کو برائی سے روک دیا تو باقی سب سے حکم ساقط ہو جاتا ہے اور اگر کسی کو روکنے کی ہمت نہ ہو لیکن کسی ایک نے زبان سے ان کو فہمائش کر دی اور وہ باز نہیں آیا اور مزید کہنے سننے سے فائدہ کی توقع نہ ہو تو باقی سب لوگ دل میں اس کو برا جانیں تو اس سے بھی حکم پر عمل ہو جاتا ہے۔

اہم تنبیہ

دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت بتانے کا یہ مطلب نہیں کہ اب عوام مسلمان مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں بلکہ اس سے غرض فقط یہ ہے کہ نصوص یعنی آیات و احادیث سے مطالب اخذ کرنے میں جو غلطی کی جا رہی ہے اس سے بچا جائے اور صحیح دلائل کو اختیار کیا جائے۔ اس کو ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں دعوت کا اصل کام علماء کی ذمہ داری ہے البتہ جب کام کے تقاضوں کے مطابق علماء کی تعداد کم ہو تو عوام کو مناسب تربیت دے کر ان سے بھی کام لے سکتے ہیں اور اس دور میں چونکہ دین مغلوب ہے اور کفر و فسق خوب پھیلا ہوا ہے اس لیے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس کام میں لگنے کی ضرورت ہے بلکہ حالات کا تقاضا ہے کہ سب ہی مسلمان اپنے کچھ اوقات کو بھی فارغ کریں اور مالی قربانی بھی دیں اور دین کے جس شعبہ سے ان کو مناسبت ہو اس میں اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ لگائیں۔

دعوت و تبلیغ اور عورتیں

مولوی طارق جمیل صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات کے نزدیک ہر ہر عورت بھی اس کی مکلف ہے کہ وہ دوسروں کو جا کر تبلیغ کرے کیونکہ ہر ہر امتی میں ہر عورت بھی شامل ہے اور مولوی طارق جمیل صاحب تو یہ کھلی کھلی بات کہتے ہیں کہ شاہد کے لفظ کی وجہ سے "امت کا ہر مسلمان مرد و عورت وہ اللہ کا

پیغام آگے پہنچانے والا ہے۔" حالانکہ حکایات صحابہ میں درج مندرجہ ذیل حکایت ان کے دعوے کی نفی کرتی ہے۔

حضرت اسماء بنت یزید انصاری صحابیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان میں مسلمان عورتوں کی طرف سے بطور قاصد کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ بے شک آپ کو اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا اس لیے ہم عورتوں کی جماعت آپ پر ایمان لائی اور اللہ پر ایمان لائی لیکن ہم عورتوں کی جماعت مکانوں میں گھری رہتی ہے پردوں میں بند رہتی ہے مردوں کے گھروں میں گڑی رہتی ہے اور مردوں کی خواہشیں ہم سے پوری کی جاتی ہیں ہم ان کی اولاد کو پیٹ میں اٹھائے رہتی ہیں اور ان سب باتوں کے باوجود مرد بہت سے ثواب کے کاموں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں۔ جمعہ میں شریک ہوتے ہیں۔ بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، حج پر حج کرتے رہتے ہیں اور ان سب سے بڑھ کر جہاد کرتے رہتے ہیں اور جب وہ حج کے لئے یا عمرہ کے لئے یا جہاد کے لئے جاتے ہیں تو ہم عورتیں ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں ان کے لئے کپڑا بنتی ہیں، ان کی اولاد کو پالتی ہیں، کیا ہم ثواب میں ان کی شریک نہیں؟ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم نے دین کے بارے میں اس عورت سے بہتر سوال کرنے والی کوئی سنی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال کر سکتی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ غور سے سنو اور جن عورتوں نے تم کو بھیجا ہے ان کو بتا دو کہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور اس کی خوشنودی کو ڈھونڈنا اور اس پر عمل کرنا ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے۔ اسماءؓ یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوتی ہوئی واپس ہو گئیں (حکایات صحابہ۔ حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ)

یہ قصہ اس بارے میں نص صریح ہے کہ عورت کے لئے اصل کے اعتبار سے دین کے نام پر بھی گھر سے نکلنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر جائز ہوتا تو سوال کی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ یہ ضرور فرماتے کہ تم بھی اللہ کے راستے میں نکل سکتی ہو۔

غرض یہ مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کی دینی ضروریات کا خیال رکھیں ان کی

دینی تعلیم کا اہتمام کریں اور ان کو کوئی بھی مسئلہ پیش آ جائے تو علماء سے پوچھ کر ان کو بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس دور کے حالات کی بناء پر عورتوں کو جو نمازوں کے لئے نکلنے کی اجازت تھی آپ ﷺ کے بعد حالات میں تغیر آنے کی وجہ سے وہ نکلنا بھی موقوف ہو گیا تھا اس لئے اصلاً تو تبلیغ کے نام پر بھی عورت کا نکلنا صحیح نہیں اور دعوت و تبلیغ یا جہاد کے لئے نکلنے پر جو فضائل وارد ہوئے ہیں عورتوں سے ان کا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ ان کے لئے نکلنے کا حکم نہیں ہے بلکہ گھر میں جمے رہنے کا حکم ہے۔

البتہ جب مجبوری ہو کہ عورت کی دینی ضروریات پوری کرنے کی گھر کے مردوں کو فکر نہ ہو تو اس وقت عورت گھر سے خود دین کا مسئلہ معلوم کرنے کے لئے نکل سکتی ہے اور بنیادی دینی تعلیم دینے کی خاطر معلّمہ بھی اپنے گھر سے نکل سکتی ہے۔ چونکہ آج کل بے دینی اور غفلت بلکہ بد دینی کا رواج و غلبہ ہے اور بہت سے گھرانوں میں مرد اپنی ذمہ داریوں سے غافل اور بے فکر ہیں اس لئے دین کی بنیادی باتیں سیکھنے سکھانے کے لئے ضرورت کے درجہ میں اگر عورتیں پردے اور حجاب کے پورے آداب کے ساتھ نکلیں خواہ ایک عورت ہو یا چند عورتیں مل کر ہوں تو یہ جائز ہے لیکن چونکہ یہ مجبوری کا نکلنا ہے اس لیے اس میں چند باتوں کی رعایت لازم ہے۔

1- دعوت و تبلیغ کے لئے یا علم دین کی طلب کے لئے مستقل نکلنے کی ترغیب نہ دی جائے اور نہ ہی نکلنے کے فضائل بیان کئے جائیں کیونکہ ان فضائل کا تعلق عورتوں سے براہ راست نہیں ہے بلکہ اپنے مردوں کے واسطہ سے ہے جیسا کہ اوپر کے قصہ سے معلوم ہوا۔

2- چونکہ نکلنا ضرورت و مجبوری سے ہے لہٰذا نکلنا بقدر ضرورت ہو جہاں مثلاً دو عورتوں کے نکلنے سے کام چل سکتا ہو وہاں ایک بھی زائد عورت نہ جائے۔

3- چونکہ عورتوں کا نکلنا خود اصل مقصد نہیں ہے بلکہ اصل مقصد ایمان و احکام کو سیکھنا ہے اس لیے اس دوران بھی اور آئندہ کے لئے بھی عورتوں کی بنیادی دینی تعلیم کا بندوبست ہونا چاہئے۔ پھر جو عورتیں اتنا کچھ سیکھ جائیں وہ بلاوجہ کے ہر قسم کے پروگراموں میں شریک نہ ہوں بلکہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے پاس پڑوس کی عورتوں اور بچیوں میں محنت کریں تاکہ زیادہ عورتوں کو نکلنے کی ضرورت نہ پڑے۔

4- دین کا کام کرنے کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ ایک میاں بیوی جن کو ضرورت کی دینی تعلیم دی گئی ہو وہ کسی محلّہ میں جا کر دس پندرہ دن یا کم و بیش ٹھہر جائیں اور محلّہ کی عورتیں ان خاتون سے آ کر دین کے احکام اور فضائل سیکھیں۔

اہم تنبیہ: ہم نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو دعوت و تبلیغ سے علیحدہ شعبہ شمار کیا ہے۔ اس کی وجہ بھی ہم بتا چکے ہیں لہٰذا جو حضرات ان کو ایک دوسرے کا شعبہ قرار دیتے ہیں ان کی بات کو ہم اگرچہ محترم خیال کرتے ہیں لیکن اس کو ہم پر حجت نہیں بنایا جا سکتا۔

کیا یہ امت ختم نبوت کی بنا پر نیابت نبوت کے لئے مبعوث ہوئی ہے؟

2- یہ کہنا یہ امت ختم نبوت کی بناء پر نیابت نبوت کے لئے مبعوث ہوئی ہے درست نہیں کیونکہ اگر یہ بات اس خیال پر مبنی ہے کہ پچھلی امتوں پر دعوت اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری نہیں تھی تو یہ بات نصوص کے خلاف ہے۔ قرآن پاک میں اصحاب سبت کا ذکر ہے یعنی وہ لوگ جن کو ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار سے منع کیا گیا تھا لیکن انہوں نے شکار کے حیلے بہانے ایجاد کر کے نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ ان کو کچھ لوگوں نے ایسا کرنے سے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے باقی کچھ لوگوں نے ان منع کرنے والوں کو کہا کہ تم ان لوگوں کو جن کو اللہ نے ہلاک کرنا ہے یا عذاب دینا ہے کیوں نصیحت کرتے ہو۔ مطلب یہ تھا کہ یہ ماننے پر تیار نہیں ہیں تو ان کو مزید نصیحت کرنا بھی چھوڑ دو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارا یہ نصیحت کرنا اللہ کے نزدیک ہمارا عذر بن جائے گا کہ ہم نے نہی عن المنکر کی اپنی ذمہ داری پوری کر دی تھی۔

اسی طرح قرآن پاک میں امتوں میں دعوت کے واقعات بھی مذکور ہیں۔ سورہ مومن میں آل فرعون میں سے ایمان قبول کرنے والے ایک شخص کا طویل دعوتی بیان مذکور ہے۔ اسی طرح سورہ بروج میں اصحاب اخدود کا ذکر ہے جو ایک راہب کی شاگردی کرنے والے لڑکے کی بدولت مسلمان ہوئے۔ اس لڑکے کا لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ پھر خود وہ لڑکا بھی تو راہب کی دعوت سے مسلمان ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کی دعوت و تبلیغ سے آپ کا دین پھیلا جو کہ تاریخ سے ثابت ہے۔

اور اگر یہ بات اس خیال پر مبنی ہے کہ یہ امت پوری دنیا کے لئے نکالی گئی ہے تو اس کا سبب ختم نبوت نہیں بلکہ نبی ﷺ کی نبوت کا عالمی ہونا ہے۔

ختم نبوت کی وجہ سے اس امت کو جو فضیلت اور ذمہ داری حاصل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اس امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کے ساتھ تشبیہ دی گئی کہ ان کا بھی وہی کام ہے جو ان انبیاء کا تھا۔ دوسرے اس امت میں مجددین کا سلسلہ چلا ہے کہ گمراہوں نے دین میں خرابی پیدا کرنے کی جو کوششیں کی ہوں ان کے اثرات کو یہ مجددین دور کریں اور دین کو خالص کریں۔

پانچویں بحث

مولوی طارق جمیل صاحب اور موجودہ دور میں اصلاح کی راہ

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

"اب ہم کچے مسلمان ہیں...... ہمیں کہاں سے راستہ ملے گا؟...... ہم کچے مسلمان ہیں ہمیں اس بھنور سے نکلنے کے لئے جو راستہ ملے گا وہ صحابہ کے دور میں نہیں ہے...... پیچھے جانا پڑے گا پیچھے بنی اسرائیل میں جانا پڑے گا۔ وہ کچے مسلمان تھے وہ اس بھنور سے کیسے نکلے تھے؟ وہ راستہ اختیار کریں گے تو ہم نکلیں گے۔ میرے نبی کے دور میں کوئی بے نمازی تھا نہ خلفائے راشدین کے دور میں کوئی بے نمازی تھا...... جب (معصیت اور ظلم کا) یہ (سب کام) ہو رہا ہے اب ہمیں خلفائے راشدین سے مثال نہیں ملے گی نبوی دور سے مثال نہیں ملے گی۔ بدر، احد، خندق ہمارے لیے دلیل نہیں بنیں گے ہمیں پیچھے جانا پڑے گا۔ یہی کچھ بنی اسرائیل کر رہے تھے تو اللہ نے ان پر فرعون کو چڑھایا پھر کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال اُن پر لگایا صفائی کرائی کہ ان تبوء القومکما ...... واقیموا الصلوۃ نمازیں پڑھو، گھروں کو مسجد بناؤ اللہ پر توکل کرو، توبہ کرو، استغفار کرو، اللہ کے سامنے جھکو۔ چالیس سال موسیٰ علیہ السلام فرعون کا ظلم سہتے رہے احتجاج نہیں کیا چپ کر کے ظلم سہا، قوم کو ایمان پر لاتے رہے، جب وہ اس سطح پر آ گئے کہ اب اللہ کی رحمت کا در کھل جائے گا اور فرعون پر حجت پوری ہو گئی تو اللہ نے وہاں سے نکالا پار کروایا، فرعون کو غرق کیا اور انہیں پار کر کے وہاں تک پہنچا دیا۔

ہم کہتے ہیں

مولوی طارق جمیل صاحب نے یہاں بھی غلط بحث کیا ہے۔

1- اول تو چالیس سال کی بات فرعون سے نجات کے بعد کی ہے پہلے کی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آخری دور میں جب بنی اسرائیل نے ارض مقدس کی فتح کا وعدہ دیئے جانے

کے باوجود اس میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے چالیس سال تک وادی تیہ میں بھٹکنے کی سزا بتائی۔ اسی مدت کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا۔

2- فرعون سے نجات سے پہلے بنی اسرائیل کی دینی حالت کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ بس اتنا ملتا ہے کہ وہ فرعون اور فرعونیوں کے ظلم وستم کا شکار تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاں فرعون کو اسلام کی دعوت دی وہیں اس سے بنی اسرائیل کی خلاصی کا بھی تذکرہ کیا۔ اس وقت کے بنی اسرائیل کو ہمارے جیسا بدعمل کہا جائے، یہ تو بلا دلیل کا بہتان ہے۔

3- بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی جو طویل داستان ہے وہ فرعون سے نجات کے بعد کی اور وادی تیہ میں بھٹکنے کی سزا ملنے کے درمیان کی مدت کی ہے۔

4- مولوی طارق جمیل صاحب نے جو آیت ذکر کی ہے وہ اس وقت کی ہے جب فرعون نے دوبارہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے صبر کرنے اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی۔ بنی اسرائیل نے جواب دیا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم عذاب میں تھے اور آپ کے آنے سے امید بندھی تھی لیکن ہمارا عذاب تو ابھی تک جاری ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ اللہ کا فیصلہ آنے تک صبر کرو اور سرزمین مصر ہی میں اپنے گھروں کو مسجد بنالو اور ان کو قبلہ رخ کر کے نماز قائم کرو۔

یہ اصل بات کا خلاصہ ہے جو ہم نے ذکر کیا اور یہ صحیح ہے کہ ہمیں بھی توبہ و استغفار اور اللہ کے سامنے جھکنے کی ضرورت ہے لیکن مولوی طارق جمیل صاحب نے جو کہانی بنائی ہے وہ ساری اپنی طبع زاد ہے اور اس طبع زاد پر انہوں نے اس امت کی اصلاح کا ضابطہ بنایا ہے۔

5- عجیب بات ہے کہ مولوی طارق جمیل صاحب یہ کہتے ہیں کہ "ہم کچے مسلمان ہیں ہمیں اس بھنور سے نکلنے کے لئے جو راستہ ملے گا وہ صحابہ کے دور میں نہیں ہے...... بدر، احد، خندق ہمارے لئے دلیل نہیں بنیں گے ہمیں پیچھے جانا پڑے گا۔ یہی کچھ بنی اسرائیل کر رہے تھے تو اللہ نے ان پر فرعون کو چڑھایا پھر کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال ان پر لگایا صفائی

کرائی...... نمازیں پڑھو، گھروں کو مسجدیں بناؤ، اللہ پر توکل کرو، توبہ کرو۔ استغفار کرو، اللہ کے سامنے جھکو۔ چالیس سال موسیٰ علیہ السلام فرعون کا ظلم سہتے رہے احتجاج نہیں کیا چپ کر کے ظلم سہا قوم کو ایمان پر لاتے رہے۔ جب وہ اس سطح پر آ گئے کہ اب اللہ کی رحمت کا در کھل جائے گا اور فرعون پر حجت پوری ہو گئی تو اللہ نے وہاں سے نکالا پار کروایا، فرعون کو غرق کیا۔

مولوی طارق جمیل صاحب تو یہ بات کہتے ہیں کہ موجودہ بھنور سے نکلنے کے لیے ہمیں جو راستہ ملے گا وہ صحابہ کے دور میں نہیں ہے جب کہ مولانا الیاسؒ اپنی دعوت و تحریک کے متعلق کبھی کبھی فرماتے تھے کہ یہ قرن اول (یعنی صحابہ کے دور) کا ہیرا ہے" (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت) یعنی مولانا الیاسؒ بھنور سے نکلنے کا راستہ صحابہ کے دور سے ہی لاتے ہیں۔ نیز تبلیغ والوں کے نصاب میں بھی حکایات صحابہ مستقل رسالہ کے طور پر موجود ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی اصلاح کے لیے صحابہ کے دور کی طرف دیکھتے ہیں۔ مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ کی تصنیف حیاۃ الصحابہ بھی اسی مدار پر ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولوی طارق جمیل صاحب نے پھر ایسا کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے دور میں دو کام ملتے ہیں ایک دعوت اور دوسرا جہاد و قتال جس میں بدر، احد اور خندق بھی پیش آئے۔ مولوی طارق جمیل صاحب اگر مولانا الیاسؒ والی بات کہتے تو اس پر کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ قرن اول کے ہیرے کا ایک ٹکڑا ہے پورا ہیرا نہیں ہے کیونکہ اس کام میں جہاد و قتال شامل نہیں ہے۔ چونکہ طارق جمیل صاحب یہ طے کئے بیٹھے ہیں کہ اس دور میں استعداد نہ ہونے کی وجہ سے جہاد ہے ہی نہیں بس صبر ہی صبر ہے اور جو لوگ جہاد کے نام پر اپنی جانیں دے رہے ہیں وہ فضول میں دے رہے ہیں تو انہوں نے صحابہ کے دور کو بھی پیچھے چھوڑا اور کوئی مثال نہیں ملی تو بنی اسرائیل کے بارے میں اپنی طرف سے من گھڑت کہانی بنائی اور یہ حاصل نکالا کہ "چالیس سال تک موسیٰ علیہ السلام فرعون کا ظلم سہتے رہے احتجاج نہیں کیا چپ کر کے ظلم سہا قوم کو ایمان پر لاتے رہے۔ جب وہ اس سطح پر آ گئے کہ اب اللہ کی رحمت کا در کھل جائے گا" یعنی ایمان پر اور نماز و توبہ پر لانے کے لئے تو صحابہ کے دعوت کے کام کو لیا جائے۔ کیونکہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی کرتے رہے اور نماز و توبہ پر آنے کے بعد مستقل نمازیں پڑھو توبہ و استغفار کرو یہاں

تک کہ جب ایمان وتوبہ کی خاص سطح پر پہنچ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کسی کے کسی اقدام کے بغیر فرعون کی طرح امریکہ و یورپ اور ان کے حواریوں کو خود ہی تباہ و برباد کر دیں گے۔ تم نہ جہاد کا سوچو اور نہ احتجاج کرو بس صبر کرو اور صبر کرو۔

چھٹی بحث:

مولوی طارق جمیل صاحب کا موجودہ تبلیغی کام کے بارے میں غلو

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

''مولانا الیاسؒ پر اللہ تعالیٰ نے جو پیغام فرمایا پچھلی کئی صدیوں میں کسی پر نہیں ہوا۔ پچھلے ہزار سال بھی میں کہوں تو یہ مبالغہ نہیں ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ

مولوی طارق جمیل صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاسؒ پر کیا پیغام نازل فرمایا۔ اگر یہ پیغام نازل فرمایا تھا کہ مسلمان اب کمزور ہیں اور کمزوری کے احکام اور ہوتے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ الہام کمزوری کے زمانے ہی میں ہونا تھا۔ جب مسلمان قوت میں تھے اس وقت یہ الہام کیوں ہوتا۔ اور اگر تبلیغ کا موجودہ طریقہ الہام کیا تھا تو تب بھی ظاہر ہے کیونکہ جب مولوی طارق جمیل صاحب کے مطابق مولانا الیاسؒ کو یہ الہام بھی ہوا تھا کہ اس وقت مسلمان کمزور ہیں تو کام کا جو طریقہ الہام کیا گیا وہ بھی کمزوری کے زمانے کے موافق ہونا تھا۔ جب مسلمان قوت میں تھے اس وقت کمزوری کے حالات والا طریقہ کیوں الہام کیا جاتا۔ اور اگر وہ کوئی ایسا پیغام تھا جو سابقہ قوت کے زمانوں میں بھی مؤثر اور ضروری تھا تو پھر دو باتیں ہیں:

i- وہ دلائل اربعہ سے قابل استنباط ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو یہ تو نئی وحی ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے بعد متصور نہیں۔

ii- اور اگر وہ قابل استنباط ہے تو پھر وہ الہام محض لطف وعنایت خداوندی ہے۔ لیکن پھر سوال یہ ابھرتا ہے کہ قابل استنباط ہونے کے باوجود پوری کی پوری امت ضرورت کے وقت میں اس کا استنباط کیوں نہ کر سکی۔ یہ بات تو اس کے معتدل امت ہونے کے خلاف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے

فضل سے الہام فرمایا تو پہلے نہ کرنے اور اب کرنے میں کیا چیز مؤثر اور مرجح بنی۔ غرض مولوی طارق جمیل صاحب کے اس ایک جملہ سے کتنے ہی سوال ابھرتے ہیں جن کو انہوں نے لاینحل چھوڑ دیا۔

اس عقدہ لاینحل کو اب ہم کھولتے ہیں۔ مولوی طارق جمیل صاحب کے اس جملہ میں دراصل اجمال ہے اور اس اجمال کی تفصیل مولانا سعید خان صاحب کا بیان ہے جو انہوں نے جناب بابو بشیر صاحب مرحوم کے نام اپنے ایک خط میں تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''دعوت کے کام کو چھوڑے ہوئے تیرہ سو سال ہو گئے اور اس کے منافع اور اس کی عظمت اور اس کی ضرورت اور اس کا طریقہ اور اس کے اصول اور اس کا اسلوب اس وقت اہل زمانہ کے دماغوں سے سب مجہول ہو گئے۔ ہر ایک اپنے اپنے علم وفہم کے اعتبار سے جو صحابہ ؓ کے علم وفہم سے جداگانہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے مزاج سے بہت دور ہے اپنی اپنی رائے زنی کرتے ہوئے دعوت کی ضرورت کو بیان کرتا ہے حالانکہ دعوت علم کے اعتبار سے جو عمل سے علیحدہ ہو گیا ہے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ حضرت مولانا الیاسؒ پر حق تعالیٰ نے خصوصیت سے وہ کچھ کھولا جو دوسرے علماء پر نہیں کھولا اس لئے اس کام کے کسی عمل کو علمی دلائل سے سمجھنا صحیح نہیں۔'' (مکاتیب مولانا سعید خان صاحب ص92)

ہم کہتے ہیں:

یہ کہنا کہ امت تیرہ سو سال سے دعوت کے کام کو سرے سے بھولی رہی اور اس کے اصول وآداب اور اسلوب وضرورت سب دماغوں سے محو ہو گئے تو یہ امت پر بہت بڑا الزام ہے۔ دعوت وتبلیغ بھی دین کا ایک حصہ ہے اور دین کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لے رکھا ہے لہٰذا یہ بات کبھی درست نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح یہ بات ماننے سے لازم آئے گا کہ کچھ صحابہ، بہت سے تابعین اور سارے ہی تبع تابعین نے رسول اللہ ﷺ اور اکابر صحابہ کے دعوت والے کام کو آگے نہ چلایا۔

ہاں ہر دور کے اعتبار سے دعوت کی صورتیں مختلف رہیں۔ مسلم معاشرہ میں وعظ ونصیحت اور تعلیم وتربیت کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ صوفیاء بھی اصلاح وارشاد کا کام کرتے رہے ہیں اور کتنے ہی ممالک میں بہت بعد کے زمانے میں اسلام پھیلا ہے۔ تاتاریوں میں اسلام آیا تو وہ بھی آخر کسی کی دعوت ہی کا اثر تھا۔ ہندوستان میں مغل بادشاہ اکبر کے زمانے کی بددینی حضرت مجدد صاحبؒ کی داعیانہ کوششوں کی

بدولت ہی ختم ہوئی۔ احمد شاہ ابدالی کو حضرت شاہ ولی اللہ کی دعوت ہی مرہٹوں کے خلاف میدان میں لائی۔ انگریزوں کے مکمل تسلط کے بعد دارالعلوم دیوبند نے اپنا کام کیا جو کہ دعوت ہی کا کام تھا۔ یورپ والوں اور انگریزوں کی واپسی کا دور شروع ہونے لگا تو مسلمان ملکوں میں جو طبقہ برسراقتدار آتا تھا وہ کہنے کو تو اگرچہ مسلمان تھا لیکن مغربی آقاؤں کا فکراور عمل دونوں طرح سے مکمل غلام تھا۔ مغرب والوں کو دین کے نام پر ٹکرانے کی مزید سکت نہ تھی۔ لیکن ان غلام حکمرانوں کو یہ اطمینان تھا کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور اسلام بس وہی ہے جو ہم نے سمجھا ہے لہٰذا دین کے نام پر ہمارا مقابلہ کرنے والے قابل گردن زنی ہیں۔ مصر اور بعض دیگر ملکوں میں اور اب پاکستان میں بھی اس کا مظاہرہ بھی ہو چکا ہے کہ نئے مسلم حکمرانوں نے دینی قوتوں سے اپنے فائدے نکالے اور پھر ان کو پوری طرح کچلنے میں مصروف ہو گئے اور دھوکہ وفریب اور ظلم و بربریت میں اپنے مغربی آقاؤں سے بھی آگے بڑھ گئے۔

ایسے حالات میں جب کہ ساری قوت نئے حکمرانوں کے ہاتھوں میں مرتکز ہونے والی تھی اور مغربی دنیا کی ان کو مکمل پشت پناہی حاصل ہونی تھی اور بے دینی اور بد دینی کو پھیلانے کی بھرپور کوششیں ہو رہی تھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا الیاسؒ کو یہ طریقہ الہام فرمایا تا کہ ظاہری کشمکش سے بچتے ہوئے ایمان و یقین کی دعوت چلے اور بحمد اللہ اس طریقے سے بہت فائدہ ہوا اور ہو رہا ہے۔

حضرت مولانا الیاسؒ نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان سے کہا گیا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ یہی کچھ واقعہ ان سے پہلے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ان سے بھی پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ پیش آ چکا تھا۔ ان حضرات کے کام بھی الہامی تھے۔ اگر حضرت مولانا الیاسؒ کا طریقہ ہی ضروری تھا تو ان حضرات کو اس کے خلاف کیوں الہام ہوا۔ بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دور میں دعوت کے جس طریقہ کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے اس کو حضرت مولانا الیاسؒ پر کھولا اور ان کو اس کے آداب و اصول کو نصوص سے استنباط کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ایسا نہیں ہوا کہ ان کو ماوراء نصوص کوئی نئی باتیں الہام ہوئی ہوں۔ اس استنباط و اجتہاد میں وہ معصوم نہیں تھے اگر ان کی کوئی بات نصوص کے خلاف ہوگی تو اصولی طور پر وہ قابل اصلاح ہوگی۔

کسی کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ مولانا سعید خان صاحب کی بات کا مطلب یہی تو ہے کہ دعوت کا کام صحابہ کے دور کا تھا جو پھر معطل ہو گیا تھا اور مولانا الیاسؒ نے بھی یہی بات فرمائی تھی جیسا کہ مولانا منظور

نعمانیؒ لکھتے ہیں:

''مولانا (الیاس) مرحوم اپنی دعوت وتحریک کے متعلق کبھی کبھی فرماتے تھے کہ یہ قرن اول کا ہیرا ہے۔'' (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص 38)

یعنی قرن اول اور صحابہ کے دور کا کام ہے لہٰذا مولانا سعید خان صاحب پر اعتراض نہ رہا۔

ہم کہتے ہیں: کہ دونوں کی باتوں میں بہت فرق ہے کیونکہ صحابہ کے دور کا کام اور ہیرا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تیرہ سو سال تک کام معطل و مدفون رہا ہو اور اس طویل دور کے لوگ اس کی حقیقت اور اس کے اسلوب تک سے ناواقف رہ گئے ہوں اور پھر بالآخر مولانا الیاسؒ نے اس کو کہیں سے کھود کر ڈھونڈ نکالا ہو۔ یہ تو مودودی صاحب کا طرز عمل ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کی بنیادی اصطلاحات یعنی دین اور عبادت وغیرہ پر صدیوں کا گرد و غبار پڑا رہا اور پھر انہوں نے اس گرد و غبار کو دور کر کے ان اصطلاحات کے اصل مفہوم لوگوں کے سامنے کھولے۔

ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر دو علیحدہ علیحدہ شعبے ہیں۔ دعوت الی الخیر سے مراد قرآن و سنت کی اتباع کی دعوت ہے۔ یہ دعوت کافروں کو بھی ہے اور مسلمانوں کو بھی ہے۔ مسلمانوں کو دین کے عقائد اور اخلاق و احکام کی دعوت ہے اور کافروں کو اسلام و ایمان کی دعوت ہے۔ دعوت الی الخیر یا دوسرے لفظوں میں دعوت و تبلیغ کا کام اصلاً علماء کی ذمہ داری ہے۔

مسلمانوں میں دعوت الی الخیر کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

1- دعوت الی الخیر کے کام کرنے والی جماعت کے تسلسل کو قائم رکھنے اور محفوظ رکھنے کی تدبیر کرنا یعنی علماء کو تسلسل سے تیار کرنا۔ اس کے لئے مدارس کو قائم کرنا اور وہاں تعلیم دینا بھی دعوت و تبلیغ کا حصہ ہے۔

2- مسلمان عوام کی تعلیم و تربیت کے لئے درس کے حلقے قائم کرنا، وعظ کرنا، لوگوں کو دین کے مسائل و اخلاق سکھانا، قرآن پاک کی تعلیم کا انتظام کرنا، تزکیہ نفس کی تعلیم دینا یہ سب باتیں دعوت الی الخیر میں داخل ہیں۔ پھر اس کے لئے وہ چاہیں زبانی دعوت دیں خواہ فرد فرد سے یا لوگوں کے اجتماع سے یا تحریر کے ذریعہ دعوت دیں یعنی دین کے مختلف احکام سے متعلق کتابیں اور رسالے لوگوں کے لئے لکھیں یہ بھی دعوت ہی کا حصہ ہے۔

3- جو لوگ مسلمانوں میں گمراہیاں پھیلانے میں لگے ہیں ان کا توڑ کرنا اور مسلمان عوام کو ان کی گمراہیوں سے آگاہ کرنا اور ان سے بچنے کی تاکید کرنا۔

مسلمانوں میں دعوت و تبلیغ کے مندرجہ بالا طریقے صحابہ کے دور سے اب تک قائم ہیں۔ بعد کے ادوار میں علماء کے کوتاہی کرنے کا ہم انکار نہیں کرتے لیکن پھر بھی نمایاں طریقے سے یہ کام ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔

کافروں میں اسلام کی دعوت کا جہاں تک تعلق ہے تو اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عربوں کی طرف براہ راست بعثت ہوئی تھی اور ان کے لئے صرف دو ہی راستے تھے یا تو مسلمان ہو جائیں یا قتل ہو جائیں الا یہ کہ کوئی جزیرہ نما عرب سے ہی نکل جائے۔ لیکن ایک وقت تک صرف دعوت و تبلیغ کا حکم رہا اور رسول اللہ ﷺ کو یہی حکم رہا کہ آپ یہی کام کرتے رہیں اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی یہ کام کرتے رہے۔ یہ ایک ہیرا تھا۔ اس وقت میں دعوت کا رنگ یہی تھا کہ ہر ایک کے پاس جانا اور اسے سمجھانا اور منت سماجت بھی کرنا۔ لیکن صحابہ ہی کے دور میں جب ان کو جہاد کا دوسرا ہیرا ملا تو اگرچہ دعوت کا کام موجود رہا لیکن اب رنگ بدلنے لگا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اب کمزوری کا دور گزر گیا تھا اور قوت و شوکت حاصل ہونے لگی تھی اس لئے اب دعوت میں قوت کا استعمال ہونے لگا تھا یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد بہت سے قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے تو محض قریش کے مقابلہ میں اسلام کے غلبہ کی وجہ سے ہوئے اور مکہ مکرمہ کے مشرکین بھی مجبور ہوئے کہ یا تو اسلام قبول کرلیں یا جزیرہ نما عرب سے نکل جائیں۔

پھر جب دوسری قوموں کا معاملہ پیش آیا تو دعوت اور جہاد ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ پورا مسلح لشکر نکلتا تھا اور دعوت اس رنگ میں دی جاتی تھی کہ یا تو اسلام قبول کرلو یا اسلامی حکومت کے باج گزار بن جاؤ یا پھر جنگ کرلو اور کفر کے مقابلہ میں اسلام کا کلمہ اور اس کی شوکت غالب رہے اور تم زندہ رہو تو ذمی بن کے رہو۔

غرض جیسے جیسے صحابہ کے حالات بدلتے گئے دعوت کا رنگ بدلتا گیا۔ ایسے ہی بعد کے زمانوں میں ہوا۔

پھر ذمیوں میں کچھ تو اسلام کی اپنی حقانیت اور کشش کی وجہ سے اور کچھ مسلمانوں کے اعمال و اخلاق سے اسلام آیا لیکن ان میں اسلام آنے کا بڑا ذریعہ دعوت تھی جو علماء و صوفیاء کی طرف سے دی گئی۔

مسلمانوں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر

مسلمانوں میں اچھے کاموں میں سستی کرنے پر اور برائی کا ارتکاب کرنے پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے شعبے کے تحت علماء اور عوام کچھ نہ کچھ کام کرتے ہی رہے ہیں۔

مسلمانوں کے زوال اور غیر مسلموں کے غلبہ کے باعث جو بے دینی اور بد دینی پھیلی ہے تو اس میں اگرچہ کرنے کا اصل کام امر بالمعروف و نہی عن المنکر تھا لیکن اس کا زیادہ فائدہ نہیں ہوا۔ وعظ و نصیحت اور درس و تدریس صرف انہی لوگوں کو مفید تھے جو ان میں حاضر ہوتے تھے جب کہ اب حالات یہ بن گئے تھے کہ کافروں کے غلبہ نے اور ان کے اسلام دشمن انتظامات نے بہت سے عوام مسلمانوں کے مزاج میں دین کی طرف سے غفلت و لاپرواہی پیدا کردی اور علماء کی وقعت ان کے دلوں سے نکال دی۔ غرض امر بالمعروف و نہی عن المنکر عام طور سے غیر مؤثر ہوئے اور وعظ و درس میں یہ شریک ہی نہیں ہوتے تھے۔

ایسے میں اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاسؒ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ بے دینی اور بد دینی کے ان حالات میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے ابتدائی دور میں جس طرح سے کافروں میں دعوت و تبلیغ کا کام کیا تھا اسی نہج پر مسلمانوں میں کام کیا جائے۔ یہ ایک بالکل نیا معاملہ تھا کہ جو کام مسلمانوں میں اصلا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ کرنے کا تھا اس کو دعوت و تبلیغ کے اس طریقہ سے کیا جائے جو ابتداء ایک کافر معاشرہ میں اختیار کیا گیا تھا کہ ایک ایک کے پاس جائیں اور منت سماجت کریں اور سمجھائیں بجھائیں۔

چونکہ یہ کام دعوت کا ہے اور دعوت کے کام کے کچھ اصول اور ضابطے اور آداب ہوتے ہیں اس لئے اصلا یہ ذمہ داری علماء کی ہے لیکن چونکہ بے دینی کے حالات ساری اسلامی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اس لئے ضرورت کے وسیع ہونے کی وجہ سے عوام کو تربیت دے کر ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔

اس سب کے باوجود یہ ایک اجتہادی اور ظنی طریقہ ہے اور اس سے دعوت الی الخیر کے دوسرے طریقوں کی اور اصحاب عزیمت کے حق میں جہاد کی نفی کرنا درست نہیں ہے۔

ساتویں بحث

مولوی طارق جمیل اور دوسرے اصحاب کی بے قاعدگیاں

ا۔ مولوی طارق جمیل صاحب کی بے قاعدگی: خلیفہ نائب اور وارث کی بات

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

"عبدالوہاب صاحب اللہ تعالیٰ کے بڑے مقرب بندے ہیں...... ان کو ایک درد وغم ہے کہ کسی طرح لوگ اس کام پر آجائیں...... تو بس وہ کبھی کوئی بات چلاتے ہیں کبھی کوئی چلاتے ہیں۔ تو یہ بات انہوں نے چلانی شروع کر دی کہ شاید میں یہ کہوں گا تو ان کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا اور وہ یہ کام کرنا شروع کر دیں گے۔ انہوں نے کہا ہر آدمی خلیفہ ہے ہر آدمی خلیفہ ہے ہر آدمی نائب ہے ہر آدمی نائب ہے تو انی جاعل فی الارض خلیفة...... تو اب خلیفہ کا اصل تو ہے یخلف بعضکم بعض اور دوسرے معنی میں بھی لیا گیا ہے کہ وہ ہر انسان کے لئے نہیں ہے۔ وہ مفتی شفیع صاحب نے اس پر لکھا ہے اور علماء نے بھی لکھا ہے تو اس وقت یہ خیال آیا کہ بھائی ہر آدمی کیسے اللہ کا خلیفہ ہو سکتا ہے؟ ایک آدمی زانی، شرابی، جواری...... وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اللہ کے نائب ہیں...... اب ہم کہیں وہ اللہ کا خلیفہ ہے ادھر وہ چوری کر رہا ہے ڈاکے ڈال رہا ہے...... پھر میری بات ہوئی عبدالواہاب صاحب سے، مولانا جمشید صاحب سے تو پھر معاملہ پیچھے ہٹ گیا۔"

ہم کہتے ہیں۔

1- معاملہ صرف خدا کے خلیفہ ہی کا نہیں بلکہ نبی اور قرآن کے وارث کی بات بھی چلی تھی کہ ہر امتی نبی کا بھی وارث ہے اور قرآن کا بھی وارث ہے۔

2- یہ بات بعید ہے کہ عبدالوہاب صاحب نے ازخود یہ بات نکال لی ہو بلکہ یہ باتیں تبلیغی حلقے کے علماء نے بتائیں اور عبدالوہاب صاحب نے ان کو لے کر چلا دیا۔ اتنی بات تو بہر حال امر واقعی ہے کہ عبدالوہاب صاحب یہ بات ایک عرصہ تک چلاتے رہے اور رائے ونڈ کے علمی حلقوں نے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ دوسرے حضرات اس کے خلاف اپنی آواز اٹھاتے رہے لیکن رائے ونڈ کے علماء نے اس پر چنداں توجہ نہیں کی۔ ہاں جب مولوی طارق جمیل صاحب کے اپنے دماغ میں سمائی تو انہوں نے پھر رکوایا۔ یا تو رائے ونڈ اور تبلیغ سے وابستہ علماء حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں

کرتے یا مداہنت سے کام لیتے ہیں۔

3- ہر ہر شخص اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے اس کے غلط ہونے کو تو مولوی طارق جمیل صاحب نے سمجھ لیا اور سمجھا دیا لیکن بات تو یہ بھی کہی گئی تھی کہ ہر ہر شخص رسول کا نائب اور کتاب اللہ کا وارث ہے۔ اس کے غلط ہونے کو شاید وہ ابھی تک نہیں سمجھے کہ ایک آدمی زانی، شرابی اور جواری ہو تو یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ رسول کے نائب اور کتاب اللہ کے وارث ہیں اور نہ ہی انہوں نے یہ بات سمجھی کہ رسول اللہ ﷺ نے تخصیص کے ساتھ کیوں فرمایا کہ العلماء ورثة الانبیاء.

4- مولوی طارق جمیل صاحب اتنی بڑی غلطی کو جناب عبدالوہاب صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں پھر بھی یہ حکم لگاتے ہیں کہ "یہ سارے آجکل کے حضرت مولانا اور علماء اس شخص کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہیں"۔ ہم تو تقابل میں نہیں پڑتے اور دین کے مددگاروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں نہ جانے مولوی طارق جمیل صاحب نے ذوات میں تقابل کرنا کس سے سیکھا ہے ان کی جماعت نے ان کو اس کی اجازت کیونکر دی ہے۔

II- مولانا احسان صاحب کی بے قاعدگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی بات ہے انہوں نے ایک رات ایک عورت کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا۔

فو اللہ لو لا اللہ تخشی عواقبه لزحزح من هذا السریر جوانبه

اللہ کی قسم اگر (فعل بد کے) انجام کا ڈر نہ ہوتا تو اس چار پائی کے کنارے اس سے دور ہو جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ایک عورت کے شوہر کو جہاد میں گئے بڑا عرصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہ اس عورت کو اپنے شوہر کی طلب ہو رہی ہے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ عورت اپنے مرد کے بغیر کتنا عرصہ رہ سکتی ہے۔ حضرت حفصہ خود بھی عورت تھیں بلکہ ام المومنین بھی تھیں اور عورتیں اپنے مسائل لے کر ان کے پاس آتی تھیں اس لئے وہ عورتوں کی فطری ضروریات سے خوب باخبر ہوں گی۔ انہوں نے تحقیقی جواب دیا کہ چار ماہ تک۔ ان کا متعین جواب دینا اس بات پر دلیل ہے کہ ان کو اس بات کی تحقیق ہوگی ورنہ صحابہ اور صحابیات نہ تو تکلف برتتے تھے اور نہ ہی اٹکل سے جواب دیتے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان کے جواب کو قبول کرنا اور دیگر صحابہ میں سے کسی کا اس پر انکار نہ کرنا اس جواب کے صحیح اور حق ہونے پر دلیل ہے۔ اس کی بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

علامہ ابن عابدین کے الفاظ میں یہ حکم جاری فرمایا:

امر امراء الاجناد ان لا یتخلف المتزوج عن اھلہ اکثر منھا

لشکروں کے امیروں کو حکم دیا کہ کوئی شادی شدہ فوجی اپنے گھر والوں سے چار ماہ سے زائد غائب نہ رہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کے یہ الفاظ روایت بالمعنی ہیں جب کہ حدیث کی کتابوں میں جو الفاظ ملتے ہیں وہ یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا لا تحبس الجیش (میں چار ماہ سے زائد لشکر کو نہیں روکوں گا) یا فرمایا لا تجبس الجیوش (چار ماہ سے زائد لشکروں کو نہ روکا جائے۔)

پورے قصہ کو سامنے رکھا جائے کہ حضرت عمرؓ کا حکم ایک عورت کی خواہش پر تھا اور عورتوں کی خاطر سے تھا کسی مرد نے مطالبہ نہیں کیا تھا تو حضرت عمرؓ سے منقول الفاظ کا وہی مطلب نکلتا ہے جو علامہ ابن عابدینؒ نے لکھا ہے لیکن رائے ونڈ مدرسہ کے مولانا احسان صاحب نے حیاۃ الصحابہ کے اپنے ترجمہ میں بین القوسین کچھ الفاظ بڑھا کر حکم کا مفہوم بدل دیا۔ انہوں نے ترجمہ یوں کیا: (اگر فوجی چھٹی مانگیں تو) ان کو روکا نہ جائے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے تمام شادی شدہ فوجیوں کے بارے میں لازمی چھٹی کا ضابطہ نہیں بنایا بلکہ صرف اتنا ضابطہ بنایا کہ جو شادی شدہ فوجی چار ماہ بعد چھٹی مانگے اس کو چھٹی دی جائے اور جو نہ مانگے اس کو نہ دی جائے۔ یہ مفہوم ایک تو پورے قصہ سے جڑتا نہیں ہے اور دوسرے اصل مقصد یعنی عورتوں کی رعایت کے اعتبار سے بے فائدہ ہے۔

تنبیہ: بیہقی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے سال کے بعد چھٹی ہوتی تھی۔

عن عبداللہ بن کعب بن مالک الانصاری ان جیشا من الانصار کانوا بارض فارس مع امیر ھم و کان عمرؓ یعقب الجیوش فی کل عام فشغل عنھم عمرؓ فلما مر الاجل قفل اھل ذالک الثغر فاشتد علیہ و اوعد ھم و ھم اصحاب رسول اللہ ﷺ قالوا یا عمر انک غفلت عنا و ترکت فینا الذی امر بہ النبی ﷺ من اعقاب بعض الغزیۃ بعضاً۔

حضرت کعب بن مالک انصاریؓ کے بیٹے عبداللہ سے روایت ہے کہ انصار پر مشتمل ایک لشکر سرزمین فارس میں اپنے امیر کے ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ سال میں ایک دفعہ لشکروں کے متبادل بھیجتے تھے (تاکہ سال بھر جہاد میں رہنے والے اپنے گھروں کو چلے جائیں)۔ حضرت عمرؓ کو

ان کا متبادل بھیجنا یاد نہیں رہا۔ جب سال پورا ہو گیا تو وہ حضرات (مدینہ منورہ) واپس چلے آئے۔ حضرت عمرؓ ان پر ناراض ہوئے اور دھمکی سنائی۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تھے۔ انہوں نے جواب دیا اے عمر آپ نے ہم سے غفلت برتی اور ہم مجاہدین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جو حکم دیا تھا اس کو آپ نے چھوڑا کہ مجاہدین کو ایک سال کے بعد چھٹی دی جائے اور ان کا متبادل لشکر بھیجا جائے۔

پھر عورتوں کی رعایت کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے شادی شدہ کے لئے مدت کو سال سے گھٹا کر چار ماہ کر دیا۔

iii- مولانا سعید خان صاحبؒ کی بے قاعدگی

حضرت عمرؓ کے چار ماہ والے حکم کے بارے میں مولانا سعید خان صاحبؒ نے عجیب بات کہی۔ وہ لکھتے ہیں:

"حضرت عمرؓ نے حکم جاری کرنے کے لئے اپنے اہل مشورہ سے مشورہ نہیں لیا اور دوسرے مسائل کی طرح اس پر اجماع نہیں کرایا جیسے تراویح، تین طلاق ایک مجلس میں دینے پر کیا۔ دوسرے اپنی بیٹی سے رائے لی، اپنی بیوی اور دوسری عورتوں سے نہیں پوچھا اور اس میں حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اور حضرت حفصہؓ نے بھی اجتہادی رائے دی۔ تیسرے حضور ﷺ سے اس بارے میں کوئی صراحتاً کنایۃً کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی اور نہ ہی حضرت ابوبکرؓ سے...... تو حکم مواقع کے اعتبار سے دیکھا جائے گا اور ضرورت کے اعتبار سے۔ اور اس زمانہ میں جب کہ کہیں اعتقادی ارتداد اور کہیں عملی ارتداد ہو رہا ہے اور امت کے رہنماؤں میں اختلاف اس قدر بڑھ چکا ہو کہ وہ اپنے مسائل میں خود پریشان ہو گئے ہوں تو اس وقت کا حکم کیا ہو گا؟ یہ دعوت کی بصیرت رکھنے والوں سے مشورہ کرنا پڑے گا تاکہ وہ ہر شخص کا حال دیکھ کر اور اس پر تفقد احوال کر کے ہر ایک کو جماعت میں بھیجیں اور الحمد للہ اب تک جتنے آدمی اللہ کی راہ میں دور دراز کے لئے گئے ہیں۔ چھ ماہ سال کے لئے گئے ہیں کوئی ایسی بات ان کے گھر والوں سے سرزد نہیں ہوئی جو حضرت عمرؓ کے حکم کو یاد دلائے۔" (مکاتیب حضرت مولانا سعید احمد خان ص 91,92)

ہم کہتے ہیں کہ اصل حکم سے، وقتی طور پر صرف نظر کرنے کے باوجود ہم مولاناؒ کی اس عبارت میں کئی سقم پاتے ہیں:

1- حضرت عمرؓ پر ہر ہر مسئلہ میں مشورہ لینا کوئی ضروری تو نہیں تھا۔ بس اتنی بات کافی تھی کہ حضرت عمرؓ نے ایک حکم جاری کیا (جب کہ ہمیں یہ حکم نبوی ہے علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین اور یہاں تو ایک حکم عام تھا) جو یقیناً دیگر صحابہ کے علم میں آیا لیکن کسی نے مخالفت نہیں کی۔

2- حضرت حفصہؓ کی اس وقت حیثیت صرف عمرؓ کی بیٹی کی نہ تھی بلکہ ام المومنین کی تھی اور ان سے بڑھ کر اور کون ہوگا۔

3- اس مسئلہ کا تعلق عورتوں کی فطرت سے ہے اس لئے حضرت حفصہؓ کی بات اجتہادی رائے نہ تھی بلکہ فطرت کی تحقیق تھی۔ اور اگر ان کو تحقیق نہ ہوتی تو وہ جواب ہی نہ دیتیں۔ ان کا جواب دینا اور حضرت عمرؓ کا اس کو قبول کر کے حکم عام بنانا اور کسی صحابی کا اس پر انکار نہ کرنا اتنے دلائل کے باوجود مولانا سعید خان صاحب اس پر مطمئن نہیں اور چودھویں صدی میں دعوت کی بصیرت رکھنے والوں کے مشورہ پر موقوف کر رہے ہیں۔

4- یہ بات مولانا نے عجیب کہی کہ چھ ماہ سال کے لئے نکلنے والوں کے گھروں میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو حضرت عمرؓ کے حکم کو یاد دلائے۔ گویا مولانا کے نزدیک یہ بھی کوئی ضابطہ ہے کہ حادثہ ہونے کے بعد شریعت کا حکم یاد کرو پہلے سے یاد کر کے اس کے مطابق عمل کو اختیار نہ کرو۔

5- حضرت عثمانؓ نے جمعہ کی پہلی اذان شروع کرائی حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر بلکہ حضرت عمرؓ سے بھی اس کے بارے میں صراحت یا کنایۃ کچھ منقول نہیں لیکن اس کے باوجود ان کا عمل حجت ہے تو ایسے ہی حضرت عمرؓ کے عمل کے حجت ہونے کے لئے یہ کوئی شرط ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا حضرت ابوبکرؓ اس بارے میں کسی طرح سے منقول ہو۔

آٹھویں بحث

مولوی طارق جمیل اور غیر مقلدین

مولوی طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔

"غیر مقلدیت شروع سے چلی آرہی ہے۔ اصحاب ظواہر (امام داؤد ظاہری) اب ان کو کون کہے گا کہ یہ گمراہ فرقے میں سے ہیں اور فرق باطلہ میں سے ہیں یا شوکانی کو کون کہے گا یا

ابن حزم کو...... اصل دین میں یہ لوگ اہلسنت والجماعت میں۔ فروع میں وہ ظاہر پر چلے تو کہیں کہیں وہ دائیں بائیں ہو گئے......"۔

ہم کہتے ہیں

کہ امت کے جو تہتر فرقوں میں بٹنے کا ذکر ہے تو ان میں ایک فرقہ تو وہ ہے جو پورا پورا اہلسنت والجماعت ہے عقائد میں بھی اور اصول میں بھی۔ باقی بہتر فرقے گمراہ ہیں اس معنی میں نہیں کہ وہ کافر ہیں بلکہ اس معنی میں گمراہ ہیں کہ انہوں نے اہلسنت کے اصول وعقائد کے راستے سے انحراف کیا ہے اور ان کو گمراہ یا بدعتی کہنا جائز ہے۔

1- اعتقاد میں غیر مقلدین کا اہلسنت سے انحراف

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں مولوی طارق جمیل صاحب کی کہی ہوئی جیسی بات پیش کر کے اپنا سوال قائم کیا۔ مولانا نے لکھا تھا۔

"...... مثلاً تقلید شخصی کہ عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً اور عملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے گو کہ اس کے تمام عقائد موافق کتاب وسنت کے ہوں اس قدر بغض ونفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلاۃ فساق وفجار سے بھی نہیں رکھتے۔ اور خواص کا عمل وفتوی وجوب اس کا موید ہے گو خود ان کو علی سبیل الفرض اتنا غلو نہ ہو...... اور مفاسد کا ترتب یہ ہے کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں۔ بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب وضرب کی نوبت آجاتی ہے۔ اور قرون ثلاثہ میں اس کا شیوع بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیف ما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کر لیا۔ اگرچہ اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائر ومنحصر ان چار میں ہے مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے...... دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جائے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی

نہیں ہوا۔ البتہ ایک واقعہ میں تلفیق کرنے کو منع لکھا ہے تاکہ اجماع مرکب کے خلاف نہ ہو جائے۔ باوجود ان سب امور کے تقلید شخصی کا استحسان اور وجوب مشہور و معمول ہے سو اس کا قبح کس طرح مرفوع ہوگا۔ دوسرا امر یہ کہ مسئلہ متکلم فیھا کے اعتقادی ہونے کی کیا صورت ہے بادی النظر میں تو فرعی عملی معلوم ہوتا ہے۔

مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا۔

''اب تقلید کو سنو کہ مطلق تقلید مامور بہ ہے لقولہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون. اور بوجہ دیگر نصوص۔ مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے کہ آدمی بسبب اس کے اپنے دین سے لاابالی ہو جاتا ہے اور اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع اس میں گویا لازم ہے اور طعن علماء مجتہدین و صحابہ کرام اس کا ثمرہ ہے...... لہٰذا تقلید غیر شخصی اس بد نظمی کے سبب گویا ممنوع من اللہ تعالیٰ ہوگئی۔ پس ایسی حالت میں تقلید شخصی گویا فرض ہوگئی اس واسطے کہ تقلید مامور بہ کی دو نوع ہیں شخصی و غیر شخصی اور تقلید بمنزلہ جنس ہے اور مطلق کا وجود خارج میں بدون اپنے کسی فرد کے محال ہے۔

پس جب غیر شخصی حرام ہوئی بوجہ لزوم مفاسد تو اب شخصی معین مامور بہ ہوگئی اور جو چیز کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو اگر اس میں کچھ مفاسد پیدا ہوں اور اس کا حصول اس ایک فرد کے بغیر ناممکن ہو تو وہ فرد حرام نہ ہوگا بلکہ ازالہ مفاسد کا اس سے واجب ہوگا اور اگر کسی مامور بہ کی ایک نوع میں نقصان ہو اور دوسری نوع سالم اس نقصان سے ہو تو وہی فرد خالصۃ مامور بہ بن جاتا ہے اور اس کے عوارض میں اگر کوئی نقصان ہو تو اس نقصان کا ترک کرنا لازم ہوگا نہ اس فرد کا۔ یہ حال وجوب تقلید شخصی کا ہے۔ اسی واسطے تقلید غیر شخصی کو فقہاء نے کتابوں میں منع لکھا ہے۔

مگر جو عالم غیر شخصی کے سبب مبتلا ان مفاسد مذکورہ کا نہ ہو اور نہ اس کے سبب سے عوام میں ہیجان ہو اس کو تقلید غیر شخصی اب بھی جائز ہوگی۔''

(از ناقل۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو پختہ عالم ہو اور تقلید غیر شخصی کرتا ہو مگر اس طرح سے کہ تقلید غیر شخصی کے سبب سے پائے جانے والے مفاسد سے بالکل خالی ہو کہ نہ دین سے لاابالی ہو اور نہ اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع کرتا ہو اور نہ ہی علمائے مجتہدین پر طعن کرتا ہو اور دوسرے اس طرح سے کہ اس کی وجہ سے عوام میں ہیجان اور تشویش و انتشار بھی نہ ہوتا ہو جو کہ اپنے مسائل کی تبلیغ

سے ہوتا ہے۔ علامہ شوکانی نے کہیں بھی اپنے مذہب کی تبلیغ و تحریک نہیں کی۔ کسی کے پوچھنے پر مسئلہ بتانا اور بات ہے اور لوگوں کو اس طرح تبلیغ کرنا کہ تم سنت کے خلاف کر رہے ہو جیسے میں کہتا ہوں اس طرح کرو تب سنت پر عمل ہوگا یا کہنا کہ اہلحدیث بن جاؤ یہ اور چیز ہے۔ مولانا داؤد غزنوی میں بھی انصاف ملتا ہے لیکن غیر مقلدین علماء کی اکثریت ایسی نہیں ہے اور اب سے نہیں شروع سے ہی ایسی ہے)۔

''اس مسئلے کے باب عقائد میں سے ہونے کا سبب دریافت فرمایا ہے سو غور کیجئے کہ جو امور مبتدع اور محدث ہیں ان سب کو ناجائز اور موجب ظلمت عقیدہ کرنا واجب ہے۔ پس یہ اعتقاد کلیات میں داخل ہے اگرچہ عمل ان کا عملیات سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب کلام میں جواز مسح خف و جواز اقتداء فاسق و جواز صلوٰۃ علی الفاسق بھی لکھتے ہیں کیونکہ اگرچہ یہ اعمال میں مگر اعتقاد جواز اعتقادیات میں داخل ہے۔

2- اصول میں اہلسنت سے انحراف

یہ مسلمانوں کا طے شدہ ضابطہ ہے اور اس پر خیر القرون سے تعامل چلا آ رہا ہے کہ مسلمانوں کے سب فقہی مذاہب قرآن و حدیث پر مبنی ہیں اور اللہ کے ہاں سب مقبول ہیں۔ اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو ایک فقہی مذہب چھڑا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کرے مثلاً حنفی کسی شافعی کو حنفی بننے کی تبلیغ کرے اور شافعی کسی حنبلی کو شافعی بننے کی دعوت دے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نقل کرتے ہیں۔

لما حج المنصور قال لمالک قد عزمت ان آمر بکتبک ھذہ التی صنفتھا فتنسخ ثم ابعث فی کل مصر من امصار المسلمین منھا نسخۃ و آمرھم بان یعملوا بما فیھا ولا تعدوہ الی غیرہ فقال یا امیر المومنین لا تفعل ھذا فان الناس قد سبقتھم الیھم اقاویل و سمعوا احادیث و رووا روایات و اخذ کل قوم بما سبق الیھم و اتوا بہ من اختلاف الناس فدع الناس و ما اختار اھل کل بلد منھم لا نفسھم.

(حجۃ اللہ البالغۃ ص 145 ج 1)

جب عباسی خلیفہ منصور حج پر گیا تو اس نے امام مالکؒ سے کہا کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جو کتابیں آپ نے تصنیف کی ہیں ان کے کئی نسخے کروا کے مسلمانوں کے ہر شہر میں ان کا ایک

نسخہ بھیج دوں اور سب لوگوں کو حکم دوں کہ وہ صرف اس پر عمل کریں اور دوسروں کو چھوڑ دیں۔
امام مالکؒ نے جواب میں فرمایا اے امیر المومنین ایسا نہ کیجئے کیونکہ مختلف علاقوں کے لوگوں کو صحابہ کے اقوال پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سن رکھی ہیں اور ان کو روایتیں ملی ہیں اور اس وجہ سے ہر علاقہ کے لوگوں نے اپنے تک پہنچی ہوئی حدیثوں پر عمل کو اختیار کیا ہے تو آپ لوگوں کو اور جو عمل انہوں نے اپنے لئے اختیار کیا یونہی چھوڑ دیجئے۔

لیکن غیر مقلدین اس اصول اور ضابطہ کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں اور کرتے رہے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے اتنے اہلحدیث بنا لیے ہیں۔

....

دعائے مغفرت

(۲ مئی ۲۰۰۸ء بھیں، چکوال) حاجی افتخار احمد صاحب کے والد گرامی انتقال فرما گئے۔

(مئی ۲۰۰۸ء ڈھاب خوشحال) حاجی فتح محمد صاحب کی اہلیہ صاحبہ وفات پا گئیں۔

(۲۳ مئی ۲۰۰۸ء سرگودھا) حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب کی والدہ ماجدہ وصال فرما گئیں۔

(مئی ۲۰۰۸ء تجھال) محمد عثمان صاحب کے والد صوفی محمد رمضان صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے۔

(۲۳ مئی ۲۰۰۸ء فیصل آباد) مولانا شاہد علی معاویہ کے والد صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔

(جون ۲۰۰۸ء بھکر) مولانا عبدالجبار سلفی کی اہلیہ صاحبہ وفات پا گئیں۔

(۲۲ جون ۲۰۰۸ء چوہان) جناب صوفی محمد حنیف صاحب کے بڑے بھائی جناب محمد رفیق صاحب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(مئی ۲۰۰۸ء قائد آباد، خوشاب) جناب سید شمشاد حسین شاہ صاحب کے بھانجے وصال فرما گئے۔

حق تعالیٰ جملہ مرحومین کی مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس نصیب ہو (ادارہ)

طارق جمیل کی دعا۔ جہالت کا پلندہ

علماء کرام نے کبھی بھی اس شخص کو وعظ کرنے کی اجازت نہیں دی جسے امر و نہی ناسخ و منسوخ جائز و ناجائز ایمان و کفر کا علم نہ ہو۔ تحریر میں تو اکثر صاحب تحریر احتیاط کرتے ہیں لیکن واعظین، مقررین، خطباء حضرات جوش بیانی میں اکثر و بیشتر غلط اور کفریہ الفاظ اور فقرات تک بول جاتے ہیں جو مقرر، واعظ خطیب جتنا جاہل ہو گا اس کے ہاں کفریہ الفاظ اور فقروں کا استعمال بھی زیادہ ہو گا۔

طارق جمیل دیوبندی تبلیغی جماعت کے عالمی شہرت یافتہ واعظ اور مقرر ہیں آپ کی لچھے دار پرفریب تقریر سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگ متاثر ہیں لیکن علماء کی عدالت میں جب ان کے خطبات واعظ اور تقریریں پیش ہوتی ہیں تو وہ "آپ جناب عالمی مبلغ دیوبندی" کو جاہل گمراہ اور اسلام کی بنیادی تعلیم سے نابلد قرار دیتے ہیں۔

میں چند کفریہ کلمات کو پیش کرنے کے بعد طارق جمیل کی صرف ایک دعا کے کلمات پیش کروں گا اور آپ سب کو دعوت فکر دوں گا کہ ایسا شخص اس قابل ہے کہ اس کی تقریر سنی جائے یا اسے عالمی مبلغ اسلام کیا جائے؟

۱۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ماننا کفر ہے یعنی یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے وغیرھا۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۰۳، مجمع الانہر ۲۹۰ ص ۵۰۵، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۵۹، فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۵ ص ۴۶۷)

۲۔ خدا تعالیٰ کے لیے مکان ثابت کرنا کفر ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۵۹، البحر الرائق ج ۵ ص ۲۰۲، فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۵ ص ۴۶۴)

3۔ اللہ تعالیٰ کیلئے جسم کا قائل کافر ہے (فتاویٰ تاتارخانیہ ج۵ ص۴۶۴)

4۔ جو کہے اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے، اگر مکان کی نیت ہے تو کفر ہے اور اگر کچھ بھی نیت نہیں تب بھی کفر ہے۔

(البحر الرائق ج۵ ص۲۰۳، فتاویٰ عالمگیری ج۲ ص۲۵۹، فتاویٰ تاتارخانیہ ج۵ ص۴۶۴، مجمع الانھر ج۲ ص۵۰۴)

5۔ جو کہے اللہ تعالیٰ آسمان سے یا عرش سے دیکھ رہا ہے، یہ قول کفر ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج۲ ص۲۵۷، فتاویٰ تاتارخانیہ ج۵ ص۴۶۴)

6۔ اللہ تعالیٰ کیلئے یہ ماننا کہ وہ سوتا، اونگھتا، بھٹکتا اور بھولتا ہے، کفر ہے۔

7۔ اللہ عزوجل کی طرف جہالت یا عجز یا نقص کی نسبت کرنا کفر ہے۔

(البحر الرائق ج۵ ص۲۰۲، مجمع الانھر ج۲ ص۵۰۴، فتاویٰ عالمگیری ج۲ ص۲۵۸، فتاویٰ تاتارخانیہ ج۵ ص۴۶۳)

8۔ اللہ تعالیٰ سے کسی شے کے ایک ذرے کے علم کی نفی کرنا کفر ہے اور یونہی معدوم کے علم کی نفی کرنا کفر ہے۔

اب میں طارق جمیل کی دعا سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں اور فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں کہ ایسا گمراہ گر، جاہل شخص اس قابل ہے کہ اس کی کسی تقریر کو سنا جائے؟

1۔ یا اللہ! ہمیں اپنی گود میں لے لے، آجا۔

2۔ یا اللہ! تجھے پتہ ہے یہ تجھے بلانے آیا ہے۔
یا اللہ! یہ مجمع تجھے بلانے آیا ہے۔
یا اللہ! یہ تیرے حبیب کی امت، یہ تجھے بلانے آیا ہے۔

3۔ یا اللہ! آجا ہمارے ساتھ چل، آجا ہمارے ساتھ چل

4۔ آج بھی اگر تو نہ آیا، تو نہ آیا، آج بھی تو نے نہ سنبھالا،
آج بھی تو نے ہماری فریاد نہ سُنی، ہماری مدد نہ فرمائی،
کہاں جائیں گے، کہاں جائیں گے۔

5۔ تو آجا میرے آقا...... ہمیں لے لے ساتھ، ہمیں اپنا ساتھ دے دے، ہمیں اپنا ساتھ دے دے۔

6۔ اے اللہ! تو نہیں آرہا اسلئے تباہی ہے۔ جب تو آئے گا ہمیں پتہ ہے پھر سب کچھ ہمارا ہو جائے گا۔

7۔ ابھی اعلان کر دے کہ میں آرہا ہوں، تو کہہ دے میں آرہا ہوں۔

8۔ اے مولائے کریم! تو آجا، بڑی دیر ہوگئی ہے، تو آجا بڑی دیر ہوگئی ہے، تجھے تیری عزتوں کا واسطہ ہم تجھے بلانے آئے ہیں، آجا، آجاناں ...... تو آجاناں، تو آجاناں، میرے مولیٰ! ہماری جگ ہنسائی بڑی ہوگئی، اب تو آناں، یا اللہ! اب تو تیری خدائی پہ ہاتھ ڈال رہے ہیں، وہ کہہ رہے ہیں ہم خدا ہیں، تو آ کے انہیں دکھا دے، یا اللہ! آجا، آجا، ہماری ضد مان لے۔

9۔ تو ہمارے سامنے ہوتا ہم تیرے پاؤں پکڑ لیتے، ہم تجھ سے چمٹ جاتے، ہم ضد کرتے، ہم روتے دھوتے، ہم لوٹ پوٹ ہوتے، تیرے آگے پیچھے یا اللہ ہم شور مچاتے۔

10۔ ہمیں اپنی جھولی میں چھپا لے، ماں بھی بچے کو اپنی جھولی میں چھپاتی ہے۔

11۔ مائیں قبروں میں چلی گئیں، حکمران مر گئے، ان کے دل پتھر کے ہو گئے ہیں

اورتو دروازے نہ کھولے تو تیرے یہ بندے اب کہاں جائیں۔

یااللہ! اے ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والے آناں، ہمارے زخموں پر مرہم رکھ، آناں ہمیں سینے سے لگا۔

آناں، ہمیں پیار کرلے، آناں، ہمیں پیار کرلے،

آناں، آجاناں، آجاناں،

آجا، آجا، میرے آقا،

نہیں آنا تو پھر بھی آجا، نہیں آنا تو پھر بھی آجانا، نہیں آنا تو پھر بھی آجا،

12۔ یااللہ! کیا صبح نہیں آئے گی، یہ رات تو بارہ گھنٹے بعد ختم کر دیتا ہے، خزاں کو چار مہینے کے بعد ختم کر دیتا ہے، ہماری صبح کب نکالے گا، ہماری بہار کب لوٹائے گا۔

13۔ بس کرے یااللہ! بس کردے ناں، بس کردے اور کتنا ہمیں رُلائے گا، بس کردے۔

14۔ تیرا اپنا فرمان ہے۔

واما السائل فلا تنهر ...... واما السائل فلا تنهر

تو کہتا ہے سائل کو دھکا نہ دو، اتنے ہزاروں، اتنے ہزاروں سوالیوں کو دھکا دینا تیری شان سے بہت دُور ہے۔

میرے اللہ، اے میرے مولیٰ! اتنے سوالیوں کو تو دنیا کا بادشاہ بھی دھکا نہیں دے گا، وہ بھی بخیل ہو کر سخی بن جائیگا۔

یااللہ تو تو ہے ہی سخی، تو تو ہے ہی سخی، اتنے مجمعے کو ردّ نہ فرما، اتنے بڑے مجمعے کو ردّ نہ فرما۔

اب چند فقرے اور ملاحظہ فرمائیں

1۔ بے شک ہمارا رونا جھوٹا ہوتا ہے، بے شک ہمارا رونا ریاکاری کا ہوتا ہے، اب کیا کریں اس سے اچھا ہمیں آتا نہیں۔

آجاؤ فرشتو! تم بھی شریک ہوجاؤ۔

آجاؤ فرشتو: تم بھی شریک ہوجاؤ۔

آج حبیب کی اُمت پہ روئیں، آؤ مل کے آنسو بہائیں۔

2۔ اے فرشتو! ہمارے ساتھ تمہیں اس رب کا واسطہ۔

جس رب نے تمہیں یہاں بھیجا ہے، آؤ ہمارے ساتھ آمین کہو، آج کہو آمین، آج کہو آمین، ہمارا اللہ ہمیں منادو، ہمارا اللہ ہمیں منادو، ہمارا اللہ ہمیں منادو، آؤ ناں، آؤ مل کے روئیں، آؤ مل کے روئیں۔

3۔ اے اللہ! اس مجمعے کو قبول کرلے،

ان کی عورتوں، بیٹیوں، بیبیوں، ماؤں کو تو قبول کرلے، ان کے افسروں، محکمے والوں کو تو قبول کرلے۔

آخر میں میں آپکو پھر سے دعوتِ فکر دوں گا کہ جس جماعت کا عالمی مبلغ اتنا جاہل، گمراہ، گستاخ ہوگا، اس کے دوسرے افراد کا کیا حال ہوگا؟

محمد نعیم اللہ خاں قادری

خلیفۂ راشد حضرت سیّدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے دور کے

مترھدین کی چلتی پھرتی تصویروں،

اللہ کے ولیوں ---- کے لیے

تحفہ جمیل

از تبرکات

فضیلۃ الشیخ مولانا طارق جمیل صاحب

پیشکش

بندگانِ سبوح وقدوس جل شانہٗ منڈی بہاؤالدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علٰی رسولہٖ الکریم

وعلٰی وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

ضروری گزارش

ناظرین کرام! ہمارے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ ہم تبلیغی جماعت کے عظیم تر مبلغ فضیلۃ الشیخ مولانا طارق جمیل صاحب کی دعا بلفظہٖ نقل کر کے پیش کر رہے ہیں۔ آپ نے یہ دعا ۳، مئی ۲۰۰۳ء کو مردان کے تبلیغی اجتماع میں فرمائی ہے۔ آپ اکثر اجتماعات میں یہ ہی دعا فرماتے ہیں۔ ۳، مئی ۲۰۰۳ء سے قبل پنڈی بھٹیاں ضلع حافظ آباد میں بھی آپ نے ایسے ہی مبارک لفظوں سے دعا فرمائی تھی۔ ہم دینی بھائیوں، تبلیغ کے لئے نکلنے والوں کی سہولت کے لئے دعا کی کیسٹ جو کہ رائیونڈ مرکز میں ہر دکان سے مل جاتی ہے سے نقل کر رہے ہیں۔ تبلیغ والوں سے "گزارش ہے کہ اس دعا کو اچھی طرح یاد کر لیں" تا کہ اللہ کے ایک ولی کے درد سے کڑھتے ہوئے دل سے نکلنے والی دعا آہوں اور سسکیوں کا مجموعہ ہمارے لئے کارآمد ثابت ہو۔ جہاں خالی جگہ ہو وہاں حضرت جی کی آہیں اور سسکیاں ہیں جنہیں ہم لفظوں میں لکھ نہیں سکتے۔ آپ خالی جگہ پر آہیں بھر لیا کریں اور کوشش فرمائیں کہ آپ کو آنسو بہانے کا ملکہ پیدا ہو جائے۔

کچھ عبارتوں پر لکیریں لگائی گئی ہیں اگر توحید پر ایمان ہوتے ہوئے حوصلہ پڑے تو انہیں بار بار دہرا کر آہیں بھریں۔

از ملتمس دعا

خادم حضرات دعوت و تبلیغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مردان صوبہ سرحد کے تبلیغی اجتماع منعقدہ ۳۰ مئی ۲۰۰۳ء میں مولانا طارق جمیل صاحب کی خطاب کے بعد درد بھری دعا بلفظہ)

اللھم لك الحمد کما انت اھلہ وصل علی سیدنا و مولانا محمد کما انت اھلہ ما انت اھلہ انك اھل التقوی و اھل المغفرۃ

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرۃ حسنة وقنا عذاب النار (لمبی آہ بھرنے کے بعد) .... ہائے ہمارے اللہ! ہم تجھے اپنی کہانی کیسے سنائیں۔ ہم بڑے دکھی ہیں میرے مولیٰ۔ دکھوں نے ہماری رگوں کو رگوں میں چلنے والے خون کو جلا کر رکھ دیا ہے۔ ہمارے دکھ درد کی طویل داستان ہے .... اتنے ہزاروں کے مجمع کے ساتھ وفد بن کے تجھے منانے آئے ہیں۔ پہلے ہم تیرے دربار میں توبہ کرتے ہیں۔ تو نے سمجھایا ہم نہ سمجھے .... تو نے روکا ہم نہ رُکے۔ تو بلاتا رہا ہم منہ پھیر کے چلتے رہے۔ تیری نعمتیں آئیں ہم ناشکرے بنے۔ تو نے احسان کیا ہم احسان فراموش بنے۔ تو نے ہاتھ دیئے ہم نے سودے رنگین کئے تو نے زبانیں دیں ہم نے جھوٹ سے سیاہ کیں۔ تو نے آنکھیں دیں ہم نے اوروں کی عزتوں کو دیکھا۔ تو نے رزق دیا ہم نے نافرمانی میں خرچ کیا۔

ہم آج ٹوٹے دل کے ساتھ شکستہ ہمتوں کے ساتھ بوجھل قدموں کے ساتھ گناہوں کا وزن اُٹھا کر اتنا بڑا وفد بن کے تیرے در پہ آئے ہیں اور ہم تیرا دروازہ

کھٹکھٹا رہے ہیں۔ ایک دفعہ ہمیں پیار سے دیکھ لے۔ ایک دفعہ ہمیں پیار سے دیکھ لے۔ ایک دفعہ ہمیں پیار سے دیکھ لے .... ایک دفعہ ہمیں محبت سے دیکھ لے ..... ہمارا کام بن جائے گا .... ہمارا کام بن جائے گا۔ میرے مولیٰ۔ اللہ .... یا اللہ بچہ ماں کو بے بسی سے دیکھتا ہے ماؤں کے کلیجے کٹ جاتے ہیں۔ وہ ہائے کہہ کے ان پر گر پڑتی ہیں۔ انہیں سینے سے لگاتی ہیں۔ یا اللہ ہم تیرے محبوب کی اُمت ہم ٹوٹے ہوئے ہم کٹے ہوئے ہم شکست خوردہ ہم بکھرے ہوئے ہم رحم طلب نظروں سے تجھے دیکھ رہے ہیں۔ ہماری تیری طرف نظریں اُٹھی ہوئی ہیں۔ اے ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والے۔ اللہ ہمیں محبت سے دیکھ لے۔ ہمیں محبت سے دیکھ لے۔ ہمیں رد نہ فرما۔ ہمیں رد نہ فرما ہمیں سارے جہان نے دھکا دے دیا ہے۔ ہمیں سارے جہان نے دھتکار دیا ہے۔ ہمارے معصوم بچوں پہ کوئی نہیں رحم کھانے والا۔ کتے کو مارتے ہوئے باطل کا ہاتھ کانپتا ہے۔ بھیڑیوں کو مارتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپتے ہیں۔ تیرے محبوب کی اُمت کی بیٹیوں کو بیٹوں کو ذبح کرتے وقت ان کے ہاتھوں میں کوئی جنبش نہیں ہوتی۔ کوئی لرزہ طاری نہیں ہوتا۔ اے مولائے کریم! اے بادشاہوں کے بادشاہ! یہ مجمع تھک کے تیرے در پہ آیا بیٹھا ہے۔ اے! ہم نہ کسی بادشاہ کا گلہ کرتے ہیں نہ کسی بادشاہ کا گلہ کرتے ہیں نہ ہم (یہاں الفاظ کی سمجھ نہیں آئی) کو کہہ دیا کرتے ہیں نہ ہم فوج پولیس کا گلہ کرتے ہیں۔ یا اللہ! ہم اپنے گناہوں کا شکوہ کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے گناہوں نے برباد کر دیا۔ ہم نے تجھے ناراض کر دیا۔ اپنے گناہوں کی وجہ سے آج ہم وفد بن کے آئے بیٹھے ہیں اور تیرے در پر بیٹھے ہوئے ہیں تجھے منانے کے لئے ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ آ جا۔

ہمیں اپنی گود میں لے لے۔ آ جا۔

ہمیں اپنی رحمت کی چادر میں لے لے۔ ہم یا اللہ! بڑے خوفزدہ ہیں بڑے پریشانحال ہیں۔ زمین ہم پہ تنگ پڑ چکی ہے۔ کائنات کی گردش ہمارے خلاف چل چکی ہے۔ آج کا باطل ہمیں تکہ بوٹی کرنے کو تیار بیٹھا ہے۔ ہماری تو ہی آخری پناہ گاہ ہے۔ مولیٰ! اگر تو نے بھی دھکا دے دیا اور تو نے اب در نہ کھولا تو یا اللہ پھر ہم جائیں گے کہاں۔ اے آخری پناہ گاہ! اے والی! اے بے آسروں کے آسرا! اللہ اے بے سہاروں کے سہارے اللہ!

اے دردمندوں کی سننے والے اللہ! اے فقیروں کی سننے والے اللہ!

اے ناداروں کی سننے والے اللہ! ہمارے دکھ درد سن لے۔ ہماری سب کی آج۔ ہم برباد ہوئے پڑے ہیں۔ ہم تھکے پڑے ہیں۔ ہم ایک دکھ کی کشتی کے مسافر ہیں۔ ہم ایک بھٹکے ہوئے شاہراہ کا قافلہ ہیں تو ہی ہماری آخری اُمید ہے۔ ہمیں مصیبتوں سے نکال لے۔ آج کا باطل ہمارا مذاق اُڑاتا ہے۔ آج کا باطل ہمارا مذاق اُڑاتا ہے وہ ہمیں للکارتا ہے۔ جاؤ اپنے اللہ کو بلا کے لاؤ۔ یہ کتنے ہزاروں کا مجمع آیا بیٹھا ہے۔ یا اللہ تجھے پتہ ہے یہ تجھے بلانے آیا ہے۔ یا اللہ یہ مجمع تجھے بلانے آیا ہے۔

یا اللہ یہ تیرے حبیب کی اُمت یہ تجھے بلانے آیا ہے۔ یا اللہ یا اللہ یا اللہ یا اللہ وہ کہتے ہیں کہاں ہے تمہارا اللہ۔ وہ کہتے ہیں کہاں ہے تمہارا اللہ۔ آ جا .... ہمارے ساتھ چل .... آ جا ہمارے ساتھ چل ہم .... ہمارے ساتھ چل ہمارے ساتھ .... ہماری بس ہو گئی ہے۔ ہماری ہمتیں پست ہو چکی ہیں .... ڈوب چکے ہیں۔ ہمارا کوئی نہیں ہے .... ہمارا کوئی نہیں ہے۔ ہمارا کوئی نہیں ہے تو بھی انکار کر دے پھر ہم کہاں جائیں .... کوئی بھی نہیں .... ہمیں حکمرانوں سے کوئی اُمید نہیں

ہے ہمیں فوجوں سے کوئی اُمید نہیں ہے۔ ہمیں اپنے ہتھیاروں سے کوئی اُمید نہیں ہے تو ہماری آخری اُمید ہے تو ہماری آخری پناہ گاہ ہے .... آج بھی اگر تو نہ آیا تو نہ آیا۔ آج بھی تو نے نہ سنبھالا۔ آج بھی تو نے ہماری فریاد نہ سنی۔ ہماری مدد نہ فرمائی کہاں جائیں گے کہاں جائیں گے؟ ہم نے پہلے توبہ کی ہے چاہے جھوٹ موٹ کی کی ہے سن لے اور قبول کر لے۔ تیری خدائی کا واسطہ۔ تیرے بندے تیرے سامنے کتنے بیٹھے ہیں .... کتنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ رو رہے ہیں میرے مولا! .... یہ زمین بھی رو رہی ہے .... یہ گھاس کا تنکہ تنکہ بھی ہمارے ساتھ رو رہا ہے .... یہ منبر یہ کرسی ہمارے ساتھ رو رہی ہے۔

ہمارے رونے پر وہ بھی آج رو رہے ہوں گے یا اللہ۔ آج معصوم بھی ہمارے ساتھ رو رہے ہیں۔ وہ بھی دیکھ رہے ہیں تیرے حبیب کی اُمت کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

بے شک تو سچا ہے ہم جھوٹے۔ تو سچا ہم جھوٹے۔ تو سچا ہے تو سچا تو بالکل سچا۔ ہم بالکل جھوٹے ہم بالکل جھوٹے۔ ہم بالکل جھوٹے ہم مان گئے۔ ہم مان گئے۔ ہم نے مان لیا ہے یا اللہ .... جو شکست تسلیم کر لے .... اے .... اسے بہادر دھکے نہیں دیا کرتے .... اسے سردار .... یا اللہ! .... اسے ذلیل نہیں کیا کرتے۔ ہم مان گئے ہیں کہ ہم ذلیل ہیں۔ ہم نے نمازیں چھوڑیں‘ سود کھایا‘ زنا کے اڈے چلائے۔ ہم نے ماؤں کو ذلیل کیا۔ ہم نے باپ کو دھکے دیئے۔ ہم بھائی بھائی کا دشمن بنا۔ ہم نے۔ یا اللہ! جوئے کے اڈے چلائے ہم نے سود کا نظام چلایا۔ ہم نے کنجریوں کو سر بازار نچایا۔ ہم نے شراب کی بھٹیاں کھولیں۔ ہم نے تیرے حکموں کو توڑا۔ آج ہم آ گئے ہیں۔ آ گئے

ہیں۔ ہم آ گئے ہیں۔ یا اللہ! آ جا .... ہم تھک چکے ہیں مولا۔ بچہ روتے روتے جب تھک جاتا ہے .... پھر وہ ہچکیاں پھر وہ ہچکیاں لیتا ہے .... اس کے آنسو جب خشک ہو جاتے ہیں .... اس کی آواز جب پست ہو جاتی ہے .... یا اللہ! ہمارے آنسو خشک ہو چکے ہیں۔ ہمارے گلے بیٹھ چکے ہیں .... ہماری ہچکیاں باقی ہیں۔ ہم تجھے منانا چاہتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا .... تو آ جا میرے آقا .... ہمیں لے لے ساتھ ہمیں اپنا ساتھ دے دے۔ ہمیں اپنا ساتھ دے دے۔ یا اللہ! ہمیں اس کے علاوہ بلانے کا طریقہ نہیں آتا .... ہم تجھے کیسے پکاریں کہ تو مان جائے .... تیرا اپنا فرمان ہے

واما السائل فلا تنھر .... واما السائل فلا تنھر

تو کہتا ہے سائل کو دھکا نہ دو۔ اتنے ہزاروں .... اتنے ہزاروں سوالیوں کو دھکا دینا تیری شان سے بہت دور ہے۔ میرے اللہ .... اے میرے مولیٰ! اتنے سوالیوں کو تو دنیا کا بادشاہ بھی دھکا نہیں دے گا۔ وہ بھی بخیل ہو کر سخی بن جائے گا۔ یا اللہ تو تو ہے ہی سخی .... تو تو ہے ہی سخی۔ تو تو ہے ہی سخی۔ اتنے بڑے مجمعے کو ردّ نہ فرما۔ اتنے بڑے مجمعے کو رد نہ فرما۔ .... یا اللہ! اپنے حبیب کی اُمت کا ساتھی بن جا وکیل و کفیل بن جا۔ ہمیں مزید ذلیل ہونے سے بچا لے۔ ہم سے یہ نظارے اب دیکھے نہیں جاتے .... سنے نہیں جاتے .... آنے والا دن لاشوں کی خبر لے کر آتا ہے معصوم پھول جیسے بچوں کو خون میں نہاتے ہوئے ان کی تصویریں ہمارے دل یا اللہ پارہ پارہ کر دیتی ہیں۔ ہم ٹوٹے پڑے ہیں یا اللہ .... ہمارے سودے ہو گئے۔ ہمیں بیچ دیا گیا ہے۔ غلہ منڈی کے غلے کی طرح۔ مذبح خانے کے بکروں کی طرح ہمیں بیچ دیا گیا ہے۔ تو آخری سہارا ہے۔ تو آخری سہارا ہے۔ آج کا باطل اپنے جہازوں پہ ناز کر رہا ہے

ہمیں تجھ پہ ناز ہے۔ انہیں اپنے ایٹم اور راکٹ کا ناز ہے۔ ہمیں تیرا ناز ہے۔ یا اللہ! تو آ نہیں رہا اس لئے تباہی ہے۔ جب تو آئے گا ہمیں پتہ ہے پھر سب کچھ ہمارا ہو جائے گا۔ یا اللہ! ہمارے پاس وہ عمل نہیں ہے جس سے تو ہمارا بن جاتا۔ اور یا اللہ اب ہم کیا کریں؟ ہم نے بڑا زور لگایا۔ اس سے آگے بڑھنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ اس سے زیادہ نیکی کی اور ہمت نہیں ہے اس کو قبول کر لے۔

عمر کہاں سے آئے گا؟ ابوبکر کہاں سے آئے گا۔ عثمان و علی کہاں سے آئیں گے۔ تو کرم کر دے یا اللہ! انہیں کمزوروں پر کرم کر دے یا اللہ۔ تو ہمارا بن جا ہمیں اپنا بنا لے .... ہمارا بن جا اپنا بنا لے .... ہم لٹے پڑے ہیں۔ یا اللہ ہم تھکے پڑے ہیں یا اللہ۔ تیرے نبی کے سامنے ایک چور کا ہاتھ کٹا تھا۔ تیرا نبی اتنا رویا تھا کہ سب نے اس کا رونا دیکھا تھا۔ تو دیکھ تو رہا ہے ناں۔ آج اگر وہ ہوتا اور اپنے معصوم .... بچوں کی گردنیں کٹتے دیکھتا اور بیٹیوں کی عزتیں لٹتے دیکھتا تو کتنا روتا میرے مولیٰ۔ وہ کتنا تڑپتا میرے مولیٰ .... یا اللہ! ہم تجھے کیسے منائیں کہ تو ہماری سن لے۔ ہم کیسے تیرے سامنے فریاد کریں کہ تو ہماری مان لے۔ اے بادشاہوں کے بادشاہ! اب سن لے ہم تھکے پڑے ہیں۔ ہم شکست خوردہ ہوئے پڑے ہیں۔ ابھی تک تو نے اگر فیصلہ نہیں کیا تو اتنے بڑے مجمعے کے اُٹھے ہوئے ہاتھ ردّ نہ فرما اور ابھی اعلان کر دے کہ میں آ رہا ہوں۔ تو کہہ دے میں آ رہا ہوں۔ فرشتوں کو اتار دے۔ لشکروں کو اُتار دے۔ جبریل کو بھیج دے۔ میکائیل کو بھیج دے۔ اسرافیل کو بھیج دے۔ آج کے فرعونوں کو پکڑ مصر کا فرعون صرف ستر ہزار بچوں کا قاتل تھا ہمارے فرعونوں دیکھ لے انہوں نے لاکھوں قتل کر دیئے ہیں۔

یا اللہ! بابل کا نمرود ایک خلیل کو جلانے والا تھا اسے بھی تو نے بچایا تھا ہمارے

نمرودوں نے کروڑوں خلیل جلا دیئے ہیں۔ ابھی بھی ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا۔ یا اللہ مصر کے قارون نے صرف مصر لوٹا تھا۔ ہمارے قارونوں نے جہان لوٹ لیا ہے کتنے بچے ہیں جو روٹی روٹی کہتے مر جاتے ہیں۔ کتنے بچے ہیں میرے مولیٰ جو اماں اماں کہتے سو جاتے ہیں۔ انہیں دودھ کا قطرہ نصیب نہیں انہیں خشک روٹی کا نوالہ نصیب نہیں .... اور ہمارے قارون سارے جگ کی دولت لوٹ گئے۔

اے مولائے کریم! تو آ جا۔ بڑی دیر ہوگئی ہے تو آ جا بڑی دیر ہوگئی ہے تجھے تیری عزتوں کا واسطہ ہم تجھے بلانے آئے ہیں۔ بچے مار کھا کے ابا کو بلانے جاتے ہیں ہم بھی پٹ کے تجھے بلانے آئے ہیں۔ آ جا - آ جا ناں ....تو آ جا ناں ....تو آ جا ناں ....میرے مولیٰ ہماری جگ ہنسائی بڑی ہوگئی۔

اب تو آ ناں یا اللہ! ....اب تو تیری خدائی پہ ہاتھ ڈال رہے ہیں ....وہ کہہ رہے ہیں ہم خدا ہیں۔ تو آ کے انہیں دکھا دے یا اللہ! آ جا- آ جا .... ہماری ضد مان لے۔

تو ہمارے سامنے ہوتا ہم تیرے پاؤں پکڑ لیتے۔

ہم تجھ سے چمٹ جاتے۔ ....ہم ضد کرتے ہم روتے دھوتے ہم لوٹ پوٹ ہوتے تیرے آگے پیچھے یا اللہ ہم شور مچاتے .... اپنے ایمان کے تصور میں تیرے ہی قدموں میں گرے پڑے ہیں۔ تیرا ہی دامن تھام رہے ہیں۔

ہمیں اپنی جھولی میں چھپا لے ماں بھی بچے کو اپنی جھولی میں چھپاتی ہے۔ وہ اپنی ماں کو اپنے زخم دکھا رہا ہے دیکھ اماں مجھے یہاں یہاں مارا ہے ....دیکھ اماں مجھے یہاں مارا ہے.........اماں مجھے یہاں بھی مارا ہے .... مجھے یہاں بھی مارا ہے.........اس کی ماں اس کے زخم سہلاتی ہے۔ اس کو چومتی جاتی ہے۔ پھر وہ ماں کی گود میں خوش ہو جاتا ہے .... اس کی ہچکیاں مسکراہٹوں میں بدل

جاتی ہیں۔

یا اللہ ہماری تو مائیں بھی مر گئیں۔ ہمارے حکمرانوں کے دروازے لوہے کے ہو گئے۔ ان کے کانوں میں ڈاٹ لگ گئے۔ ان کی آنکھوں پہ پٹیاں پڑ گئی ہیں۔ اور تو بھی نہ سنے تو اور کوئی ہے اللہ جس کو سنائیں۔ کوئی ہے اور جس کے پاس جائیں۔ تو بھی نہ سنے .... مائیں قبروں میں چلی گئیں ....حکمران مر گئے .... ان کے دل پتھر کے ہو گئے ہیں اور تو دروازے نہ کھولے تو تیرے یہ بندے اب کہاں جائیں

یہ دھتکارے ہوئے اب کہاں جائیں ....

یا اللہ! اے ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والے .... آ .... ناں۔ ہمارے زخموں پہ مرہم رکھ

آ ناں ہمیں سینے سے لگا۔

آ ناں ہمیں پیار کر لے آ ناں ....ہمیں پیار کر لے .... آ ناں ....آ جا ناں ....آ جا ناں آ جا آ جا میرے آقا ....نہیں آنا تو پھر بھی آ جا.........نہیں آنا تو پھر بھی آ جا.........نہیں آنا تو پھر بھی آ جا.........

نہیں آنا تو پھر بھی آ جا.........

او ہمارے اللہ.........ہائے ہمارے اللہ

ہائے ہمارے اللہ.........ہائے ہمارے اللہ

ہائے ہمارے اللہ.........ہائے ہمارے اللہ

یا اللہ.........یا اللہ او میرے اللہ.........اے سب کے اللہ اے محمد مصطفیٰ کے اللہ۔ تجھے اس کی محبت کا واسطہ.........اے موسیٰ کلیم کے اللہ.........اے ابراہیم خلیل کے اللہ.........اے وحدہٗ لاشریک اللہ.........اے وہ اللہ جو ہمیں

دیکھ رہا ہے .... بے شک ہمارا رونا جھوٹا ہوتا ہے۔ بے شک ہمارا رونا ریا کاری کا ہوتا ہے .... اب کیا کریں اس سے اچھا ہمیں آتا نہیں۔ اب تیرے سامنے فریاد کرتے ہیں۔ آ جاؤ فرشتو تم بھی شریک ہو جاؤ۔ آ جاؤ فرشتو تم بھی شریک ہو جاؤ آ جاؤ .... آج حبیب کی اُمت یہ روئیں آؤ مل کے آنسو بہائیں .... آؤ حبیب کی اُمت پہ مل کر روئیں .... آؤ اُن کی بیٹیوں پر آنسو بہائیں آؤ ان کے معصوم بچوں کے تڑپتے لاشوں پہ روئیں۔ اے مولیٰ تو دیکھ تو رہا ہے ناں ایک وہ بوٹی بھی نہیں ملتی کہ دفن کر دی جائے۔ ایک ہڈی نہیں ملتی کہ کفن میں ڈال کر جنازہ پڑھ دیا جائے۔ یا اللہ .... یا اللہ .... کیا صبح نہیں آئے گی۔ .... یا اللہ کیا صبح نہیں آئے گی۔ یہ رات تو بارہ گھنٹے کے بعد ختم کر دیتا ہے۔ خزاں کو چار مہینے کے بعد ختم کر دیتا ہے ہماری صبح کب نکالے گا ہماری بہار کب لوٹائے گا۔

اے فرشتو! ہمیں پتہ ہے تم بھی آسمان تک موجود ہو۔ آؤ ہم مل کر روئیں۔ اور اللہ کو منائیں۔ اللہ کو آج منا لیں تم آمین کہو۔ ہمارے ساتھ تمہیں اس رب کا واسطہ جس رب نے تمہیں یہاں بھیجا ہے۔ آؤ ہمارے ساتھ آمین کہو۔ آج کہو آمین .... آج کہو آمین .... ہمارا اللہ ہمیں منا دو .... ہمارا اللہ ہمیں منا دو .... آؤ ہمارا اللہ ہمیں منا دو .... ہمارا اللہ ہمیں منا دو .... ہمارا اللہ ہمیں منا دو .... آؤ ناں .... آؤ مل کے روئیں .... آؤ مل کے روئیں۔ آؤ مل کے روئیں .... تم نے تو جانا ہے اپنے اللہ کے پاس ہم تو زمین پر ہیں۔ تم تو ابھی جاؤ گے عرشوں پر تم تو ابھی جاؤ گے عرشوں پر .... تم تو جاؤ گے .... ہمارا دکھڑا سنانا ہماری درد بھری کہانی سنانا .... اے مولیٰ کسی طرح مان جا کسی تو طرح مان جا .... کسی تو طرح مان جا .... میرے آقا

کسی تو طرح مان جا .... کوئی آنسو پسند کر لے، کوئی آنسو پسند کر لے .... مجھے تو دعویٰ نہیں ہے اخلاص کا میں تو .... میرا کوئی دعویٰ نہیں ہے مجھے تو خوف ہے یہ سب ریا کاری ہے۔ یہ سارا مجمع تیری محبت میں رو رہا ہے میں ان کے لئے قسم کھاتا ہوں۔ یا اللہ میں اپنی قسم نہیں کھاتا .... میں اپنی قسم نہیں کھاتا .... میں ان کی قسم کھانے پر تیار ہوں .... سب تیری ہی محبت کے لئے رو رہے ہیں تیری ہی مدد کے لئے بے قرار ہیں .... تیرے ہی لئے گڑگڑاتے ہیں۔ میں ان کو نہیں جانتا تو ان کو جانتا ہے .... یہ اندھیرے میں بیٹھے رو رہے ہیں تو ان سب کو دیکھ رہا ہے یہ تیری ہی رضا میں رو رہے ہیں۔ تیری ہی رضا میں رو رہے ہیں۔ تیری ہی رضا میں ان کی طفیل میرا رونا بھی قبول کر لے .... ان کے آنسوؤں کے طفیل میرا جھوٹا میرا جھوٹا رونا بھی قبول کر لے۔ ہم سب کی سن لے۔ ہم اُمت کا وفد بن کے آئے بیٹھے ہیں۔ ہم اُمت کا وفد بن کے آئے بیٹھے ہیں۔ بس کر دے یا اللہ! بس کر دے ناں .... بس کر دے اور کتنا ہمیں رُلائے گا .... اور کتنے .... بس کر دے ....

لا الہ الا اللہ — لا الہ الا اللہ — لا الہ الا اللہ — لا الہ الا اللہ — لا الہ الا اللہ — لا الہ الا اللہ — لا الہ الا اللہ — لا الہ الا اللہ — لا الہ الا اللہ — لا الہ الا اللہ — لا الہ الا اللہ — لا الہ الا اللہ — وحدہ لا شریک لہ لہ الملک لہ الملک ولہ الحمد وانت علی کل شیء قدیر۔

اس مجمع کو قبول کر لے۔ ان اہل شہر کو تو قبول کر لے۔

ان کی عورتوں، بیٹیوں، بیبیوں، ماؤں کو تو قبول کر لے۔

ان کے افسروں، محکمے والوں کو تو قبول کر لے۔ ان کو سارے کے ساروں کو

قبول کرلے۔ ان کے اطراف کو قبول کرلے۔ ان کے بوڑھے جواں قبول کرلے۔ ان کے تاجر دیہاتی شہری زمیندار سارے ہی قبول کرلے لا الہ الا اللہ۔ افسران ماتحت سارے ہی قبول کرلے۔ جہاں جہاں سے آئے ہیں ان بستیوں کو قبول کرلے۔ جس راہوں سے آئے ان راہوں کو بابرکت کر۔ ان کے شہر کے درو دیوار برکت والے بنا دے۔ محبتیں قائم کردے۔ ان کی نفرتیں مٹا دے۔ ان کی عداوتیں مٹا دے۔ انہیں شیر وشکر کردے انہیں محبت دے۔ ان کے بغض ختم کر۔ ان کی لڑائیاں ختم کر۔ ان کی بے برکتیاں ختم کر۔ بے اولادوں کو اولاد دے دے۔ نرینہ جن کو اولاد نہیں بچے عطا فرما جنہیں بیٹے دیئے ہیں ان کو بیٹیاں' جنہیں بیٹیاں دی ہیں انہیں بیٹے دے۔ جن کو دیا ہے انہیں زندگی والا بنا دے۔ بابرکت بنا دے۔ یا اللہ ان کے رشتے نیک مقدر فرما دے۔ مقروضوں کو قرضوں سے آزاد کردے۔ بیماروں کو بیماری سے آزاد کردے۔ اے مولائے کریم! ان بھائیوں نے ہمارا اکرام کیا ہم ان کے حق ادا نہیں کرسکتے۔ اپنے خزانوں سے ادا کردے۔ ان کی عورتوں نے ہماری عورتوں کا احترام کیا وہ بھی ان کا حق ادا نہیں کرسکتیں اپنے خزانوں سے ان کی عورتوں کا بھی اکرام فرما دے۔ یا اللہ! انہیں دنیا میں بھی آباد فرما۔ انہیں آخرت میں بھی آباد فرما .... میرے مولائے کریم اس سفر میں ہم سے ہماری مستورات سے مجمع کے حق میں جو بھی کی۔ ہوئی ہو ہمیں معاف کردے ہم نے ان سے بھی معافی مانگی ہے۔ تیرے دربار میں بھی معافی مانگتے ہیں .... اور اے میرے مولائے کریم! یہ سارا مخلصین کا مجمع ہے ان کی طفیل ان کی برکت سے یا اللہ یہ ریاکاری کا سفر بھی قبول کرلے۔ تیری ذات کی قسم تیری عزت کی قسم .... تیری بڑائی کی قسم .... تیری عزت وجلال کی قسم ہمیں کوئی دعویٰ نہیں کہ یہ جو کیا ہے ٹھیک کیا ہے .... کوئی دعویٰ نہیں جو کیا ہے

اخلاص کے ساتھ کیا ہے۔ پر یہ سارے مخلص بیٹھے ہیں۔

میں ان پر قسم کھاتا ہوں۔

یہ سارے مخلص بیٹھے ہیں۔

ان کے اخلاص کے طفیل ہماری ریاکاری کے سفر کو بھی اخلاص کردے .... اخلاص اخلاص کردے .... اخلاص کردے۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنةوقنا عذاب النار۔

وصلی اللہ تعالی علی النبی الکریم آمین برحمتك یا ارحم الراحمین

فضیلۃ الشیخ مولانا طارق جمیل صاحب کی ۳ مئی ۲۰۰۳ء کو مردان میں خطاب کے بعد مکمل دُعا اختتام پذیر ہوئی۔

فضیلۃ الشیخ مولانا طارق جمیل صاحب نے ۲۱ ... سے قبل پنڈی بھٹیاں ضلع حافظ آباد میں انتہائی کرب کی حالت میں جو دعا فرمائی ہے وہ کیسٹ میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ منڈی بہاؤ الدین میں دکانوں پر عام مل جاتی ۔ ہے۔ جس کا خلاصہ اور مغز یہ ہے۔

اللہ! تو سامنے ہو ہم تیرے پاؤں پکڑ لیں' ہم تیرے پاؤں پکڑ لیں' ہم تری گود میں گر جائیں۔ یا اللہ! .... ہم تجھے منائیں یا اللہ ....

ان فی ذلك لعبرۃ لاولی الابصار (آلِ عمران:۱۳)

بے شک اس میں عقلمندوں کے لئے ضرور دیکھ کر سیکھنا ہے۔

مثالی خواتین اور ان کا طرز عمل

گوشۂ خواتین

علامہ مفتی محمد اشرف جلالی

جلالیہ پبلیکیشنز درگاہ مقدسہ نقشبندیہ قادریہ جلالیہ بھکھی شریف

امام العصر حضرت پیر سید جلال الدین شاہ نقشبندی قادری رحمۃ اللہ علیہ

بانی جامعہ محمدیہ نوریہ رضویہ بھکھی شریف

کا تذکرہ

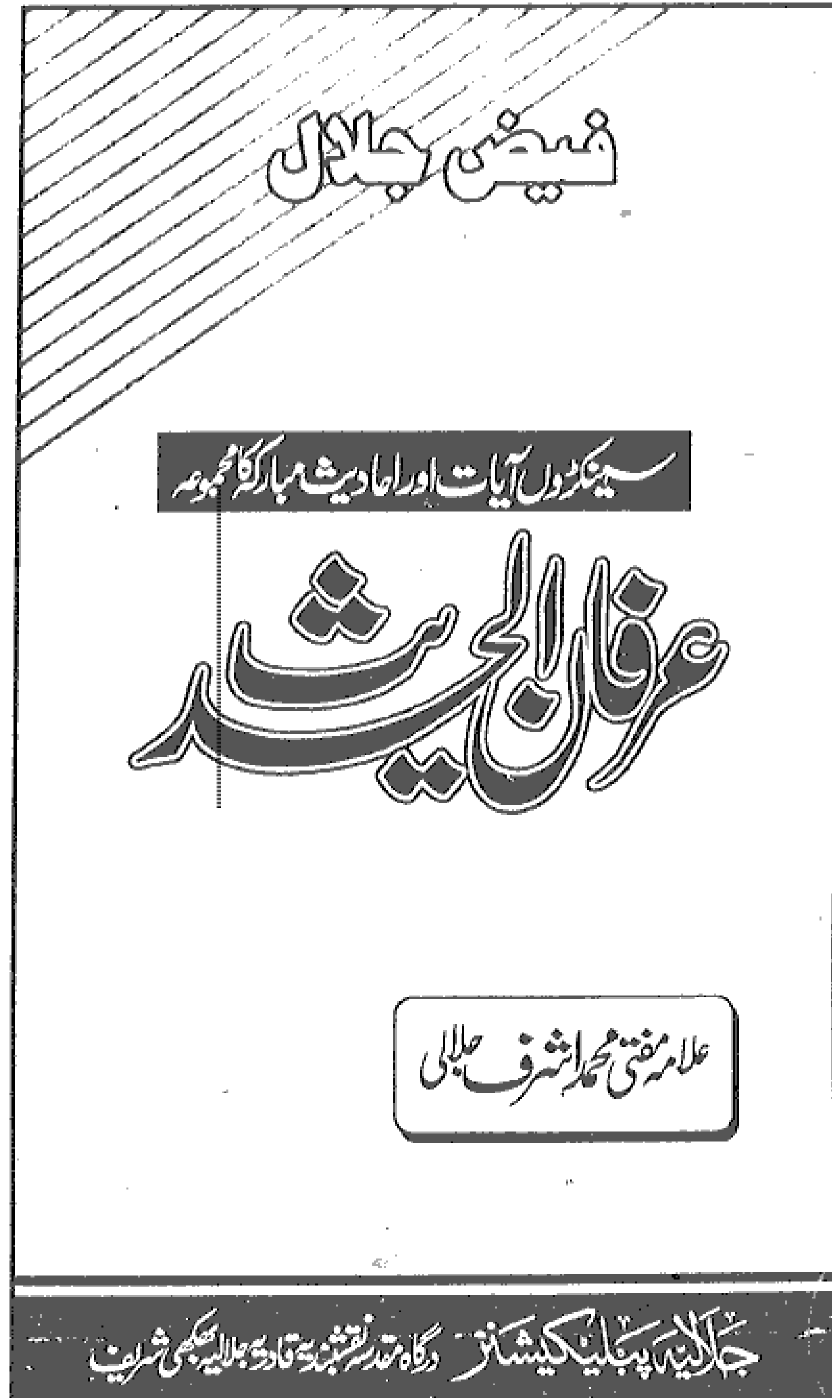
انوار حافظ الحدیث

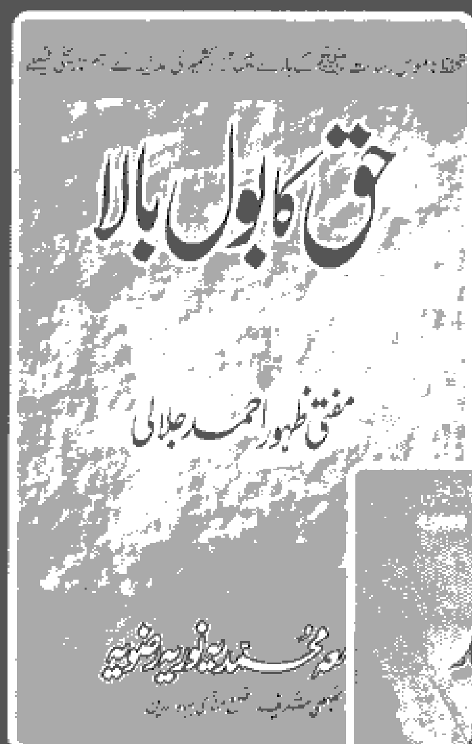
مرتبہ محمد نعیم اللہ خان

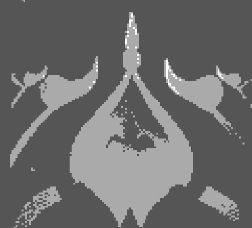
بی ایس سی

بی ایڈ، ایم اے اردو پنجابی و تاریخ

جلالیہ پبلیکیشنز درگاہ مقدسہ نقشبندیہ قادریہ جلالیہ بھکھی شریف


فیضِ جلال
سینکڑوں آیات اور احادیث مبارکہ کا مجموعہ
عرفان الحدیث
علامہ مفتی محمد اشرف جلالی
جلالیہ پبلیکیشنز درگاہ مقدسہ نقشبندیہ قادریہ جلالیہ بھکھی شریف


حق کا بول بالا
مفتی ظہور احمد جلالی




شرح حدیث نجد

